حکومت بہار
اردو ڈائرکٹوریٹ
بہار، پٹنہ

سلسلہ نمبر۔۲۶

رشید النساء

ڈاکٹر نور السلام ندوی

Monograph-26

Rashidun Nisa

By : Dr. Noorus Salam Nadvi

رشید النساء اردو ناول نگاری کی دنیا میں پہلی خاتون ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ وہ وسیع النظر، روشن خیال اور ترقی پسند خاتون تھیں۔ تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کی حفاظت کے لئے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

رشید النساء کی پیدائش 1853ء میں پٹنہ کے ایک ایسے علمی خانوادے میں ہوئی جہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے مادی اور علمی نعمتوں کا خزانہ جمع کر دیا تھا۔ اس خانوادے کا رشتہ نواب سیف علی خان سے ہے، جن کا تعلق مغلیہ خاندان سے تھا۔ وہ مغلیہ دورِ حکومت میں بہار کے گورنر ہوا کرتے تھے۔ رشید النساء کا خاندان بہار ہی نہیں ہندوستان کے صاحب ثروت خاندانوں میں سے ایک تھا۔ وہ معروف ومشہور شاعر و ناقد امداد امام آثر کی بہن تھیں۔

رشید النساء کسی اسکول یا مدرسہ میں باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کیں بلکہ اپنے والد سے گھر پر ہی محدود تعلیم حاصل کر پائیں۔ انہیں بچپن سے علم کا شوق، پڑھنے لکھنے کی تڑپ اور لگن تھی۔ گھر کے علمی و ادبی فضا نے ان کی زندگی پر بڑا مثبت اثر ڈالا جس سے وہ باشعور، حساس اور ذہین خاتون بنیں۔

رشید النساء نے چھ مہینے کی قلیل مدت میں اصلاح النساء جیسی دوامی افادیت کی حامل ناول ''اصلاح النساء'' 1881ء میں مکمل کی جو اصلاحی اور مقصدی ناول ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت ہے اور اردو ناول کے آغاز میں اس کا اہم مقام ہے لیکن اس کی طباعت ناول لکھنے کے 13 ر سال کے بعد اس وقت ہوئی جب ان کے لڑکے محمد سلیمان ولایت سے قانون کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آئے۔ پہلی بار ناول ''اصلاح النساء'' 1894ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اصلاح النساء کا دوسرا اور تیسرا ایڈیشن پاکستان سے 1968ء اور 2002ء میں شائع ہوا۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے اس کا دوسرا ایڈیشن 2007ء میں شائع کیا۔

رشید النساء پہلی خاتون ناول نگار کو چھوڑ کر کوئی خاتون قلم کار ایسی نہیں ہیں جو کسی صنف میں خاتون اوّل کا درجہ رکھتی ہو۔ رشید النساء (عورتوں کی تعلیم کو معیوب سمجھے جانے والے دور میں) کی غیر اسکولی اور غیر رسمی تعلیم ہونے کے باوجود خواتین کی اصلاح کے لئے ناول تخلیق کرنا اور تعلیم نسواں کے لئے زنانہ مدرسہ قائم کرنا یہ ان کا بہت حوصلہ مند اور جرأت مندانہ اقدام تھا۔ رشید النساء کا نظریہ تھا کہ بہتر خاندانی زندگی بسر کرنے کے لئے عورتوں کو تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونا از حد ضروری ہے۔ وہ صنف نازک کو تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ سماج و معاشرہ میں پھیلی برائیوں، خرابیوں، جہالت کے خاتمہ، بے دینی، توہم پرستی، عقائد کے فساد و بگاڑ دور کرنے، شر و فساد کی بیخ کنی، معاشرہ کو پُر امن اور خوشگوار بنانے اور باعزت و باوقار زندگی گزارنے کے لئے سب سے اہم چیز تعلیم و تربیت کو قرار دیتی تھی۔

انسانی جبلت کی فطرف شناس رشید النساء نہ صرف بہار کے مشاہیر اردو ادب بلکہ ہندوستان کی اہم خواتین کی صف میں جگہ پانے کی مستحق ہیں۔ انہوں نے خواتین کی تعلیمی پسماندگی کی خوفناکیوں کو شدت سے محسوس کیا۔ طبقۂ نسواں کو زندگی کے نئے سلیقے سے آشنا کرنے کی پُر خلوص کوششیں کیں۔

یہ فرد نامہ ڈاکٹر نور السلام ندوی نے لکھا ہے۔ وہ اردو زبان و ادب کے حسّاس، سنجیدہ، باشعور قاری اور معتبر و معروف ادیب ہیں۔ وہ نئی نسل کے قلم کار ہیں جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں پوری تحقیق اور عرق ریزی سے مکمل اور گہرے مطالعے کے بعد اپنی باتیں سپرد قلم و قرطاس کرتے ہیں۔ انہوں نے صحافت کی ڈگری پٹنہ یونیورسٹی سے حاصل کی ہے۔ انہیں ادب سے گہرا شغف ہے۔ ان کے مضامین اور مقالے ملک کے معیاری اخبار و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ زبان و ادب کی خدمات کے اعتراف میں انہیں ''فروغ اردو ایوارڈ''، ''غلام سرور ایوارڈ'' اور ''عظمت صحافت ایوارڈ'' جیسے اعزازت سے نوازا جا چکا ہے۔

प्रकाशक
उर्दू निदेशालय
मंत्रिमंडल सचिवालय विभाग, बिहार, पटना

معمارِدبستانِ بہار

حکومت بہار
اردو ڈائرکٹوریٹ
بہار، پٹنہ

فرد نامہ

رشید النساء

ڈاکٹر نور السلام ندوی

طابع وناشر:
اردو ڈائرکٹوریٹ
محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، حکومت بہار، پٹنہ

© جملہ حقوق بحق اردو ڈائرکٹوریٹ، محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، حکومت بہار محفوظ

سلسلہ نمبر۔ ۲۶

Rashidun Nisa

By
Dr. Noorus Salam Nadvi

نام کتاب	:	رشید النساء
مصنف	:	ڈاکٹر نور السلام ندوی
سال اشاعت	:	2023ء
کل صفحات	:	94
کمپوزنگ وتزئین	:	محمد سعید احمد
سرورق	:	روائل کمپیوٹر، پٹنہ
طابع	:	نیو فائن آرٹ آفسیٹ، درگاہ روڈ، پٹنہ۔ ٦

ملنے کا پتہ
اردو ڈائرکٹوریٹ، سی. بلاک، 111، آفیسرس فلیٹ، بیلی روڈ، پٹنہ۔ ۸۰۰۰۰۱
فون نمبر : 0612-2530093، ای میل : directorurdu@gmail.com

فہرست

پیش لفظ	احمد محمود	4
ابتدائیہ	ڈاکٹر نور السلام ندوری	6
رشید النساء — ایک نظر میں	—	9
رشید النساء، پیدائش، تعلیم و تربیت	—	10
رشید النساء: ملکی و بین الاقوامی نسائی تحریک کے پس منظر میں	—	20
اردو ناول کی مختصر تاریخ	—	26
اصلاح النساء کا سرسری جائزہ	—	30
اصلاح النساء کی کہانی	—	41
اصلاح النساء کا فنی جائزہ	—	48
کردار نگاری	—	53
منظر کشی و فضا آفرینی	—	62
اسلوب بیان	—	66
رسومات	—	72
رشید النساء ادباء کی نظر میں	—	76
اصلاح النساء کے اقتباسات	—	80
حواشی	—	86
کتابیات	—	88
تصاویر	—	91

پیش لفظ

دبستان لکھنؤ، دبستان دہلی اور دبستان دکن کی طرح اپنے مخصوص اور بیش قیمت شعری و ادبی روایت اور سرمائے کی بنیاد پر دبستان بہار بھی ایک اہمیت کا حامل ہے۔

سرزمین بہار میں شعر و ادب کی یکتائے زمانہ اور باکمال شخصیتیں ہر دور میں ظہور پذیر ہوتی رہی ہیں اور اپنے کمالِ فن سے دنیائے ادب میں بہار کا نام روشن کرتی رہی ہیں۔

شاد عظیم آبادی، امداد امام اثر، شوق نیموی، فضلِ حق آزاد،، بیدل عظیم آبادی، انجم مانپوری، اختر اورینوی، جمیل مظہری، سہیل عظیم آبادی، کلیم الدین احمد، قاضی عبدالودود، کلیم عاجز، مظہر امام، عبدالصمد، شوکت حیات، احمد یوسف اور شفیع مشہدی جیسی بے مثل اور یکتائے زمانہ ادبی شخصیتوں نے پوری ادبی دنیا میں بہار کی شعری و ادبی عظمت و اہمیت کا پرچم لہرایا اور دبستان بہار کو مضبوط شناخت عطا کی۔ دبستان بہار کی شعری و ادبی روایت اس قدر مقتدر اور وقیع ہے کہ دنیائے ادب اسے بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی ہے اور ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

اردو ڈائرکٹوریٹ، محکمہ کابینہ سکریٹریٹ دبستان بہار کی جملہ سرکردہ اور مقتدر ادبی شخصیتوں کی وقیع خدمات شعر و ادب کا اعتراف کرتا ہے۔ ان کے ادبی سرمایہ کو محفوظ رکھنا اور اسے نئی نسل تک پہنچانا اپنا نصب العین سمجھتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر اردو ڈائرکٹوریٹ نے گزشتہ دنوں تیئس (۲۳) مشاہیر ادب بہار ۱۔ شاد عظیم آبادی، ۲۔ پرویز شاہدی، ۳۔ کلیم الدین احمد، ۴۔ رضا نقوی واہی، ۵۔ علامہ واقف عظیم آبادی، ۶۔ عبدالمغنی، ۷۔ وہاب اشرفی، ۸۔ رمز عظیم آبادی، ۹۔ شین مظفرپوری، ۱۰۔ کلیم عاجز، ۱۱۔ غیاث احمد گدی، ۱۲۔ جمیل مظہری، ۱۳۔ انجم مانپوری، ۱۴۔ بیتاب صدیقی، ۱۵۔ عبدالغفور شہباز، ۱۶۔ فضل حق آزاد، ۱۷۔ احمد جمال پاشا، ۱۸۔ کلام حیدری، ۱۹۔ اویس احمد دوراں، ۲۰۔ قمر اعظم ہاشمی، ۲۱۔ امداد امام اثر، ۲۲۔ احمد یوسف، ۲۳۔ صدیق مجیبی کے فردنامے (مونوگراف) شائع کرائے۔ ان فردناموں کا ادبی دنیا میں زبردست استقبال کیا گیا اور اردو ڈائرکٹوریٹ کی اس پیش کش کو اہم اور قیمتی قرار دیا گیا۔

رشید النساء اردو ناول نگاری کی دنیا میں پہلی خاتون ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ وہ روشن خیال، وسیع النظر اور ترقی پسند خاتون تھیں۔ وہ معروف و مشہور شاعر و ناقد امداد امام آثر کی بہن تھیں۔ رشید النساء کی ولادت ایسے ماحول اور زمانے میں ہوئی جس میں برِّ صغیر بالخصوص مسلم خاندانوں میں عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ خواتین میں تعلیم کا باضابطہ رواج نہیں تھا۔ عورتیں گھر کے اندر پردے میں رہا کرتی تھیں۔ ان حالات میں رشید النساء گھر پر ہی اپنے والد کے ذریعے محدود تعلیم ہی حاصل کر پائیں۔ انہیں بچپن سے پڑھنے لکھنے کا شوق، تعلیم حاصل کرنے کی تڑپ اور لگن تھی۔ ان کے گھر کے علمی و ادبی فضا نے ان کی زندگی اور شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ علم و ادب سے انہیں خاصی دلچسپی اور مناسبت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے تعلیم نسواں کی نہ صرف پُر زور وکالت کی بلکہ حتی المقدور کوشش کی، ناول لکھا اور خواتین کے لئے زنانہ اسکول قائم کیا۔

اس فرد نامہ کے مصنف ڈاکٹر نور السلام ندوی ہیں۔ وہ معتبر قلم کار، کامیاب مضمون نگار اور معروف ادیب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ صحافت ان کا خاص میدان ہے۔ ان کے کئی معتبر اور معلوماتی مضامین ملک کے مؤقر اور مشہور اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

رشید النساء پر ان کا رقم کیا ہوا یہ فرد نامہ تحقیق اور پیش کش کے اعتبار سے ایک بہترین اور معتبر تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ رشید النساء کی شخصیت اور ان کی تعلیم نسواں کے تعلق سے عظیم خدمات کا بخوبی احاطہ کرنے والی، اردو ڈائرکٹوریٹ کی یہ پیشکش آپ قارئین کو پسند آئے گی۔

احمد محمود

ڈائرکٹر، اردو ڈائرکٹوریٹ

محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، پٹنہ

ابتدائیہ

بہار کی مٹی بڑی زرخیز واقع ہوئی ہے، کیسے کیسے اہل کمال اور اہل فن اس خاک سے اٹھے اور اسی خاک میں مل گئے۔ رشید النساء کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔ 1857 میں شکست و ریخت کے بعد ہندوستانی معاشرہ نئی تبدیلیوں سے دوچار ہوا، اسے نئے مسائل اور مشکلات سے سابقہ پڑا۔ اس وقت ہندوستانی سماج تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کے تعلق سے فرسودہ خیالات اور روایات کے حصار میں تھا، عورتوں کا پڑھنا لکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، وہ گھر کی چہار دیواری کے اندر مقید تھیں۔ ان حالات میں اصلاح کی تحریک شروع ہوئی۔ خواتین میں تعلیمی بیداری لانے کی سعی کی گئی، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ انہیں بھی لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ناول کا آغاز ہوا، ڈپٹی نذیر احمد اردو کے اوّلین ناول نگار تسلیم کیے جاتے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے خواتین کی اصلاح کی فکر کی اور اصلاحی ناول لکھے۔ ان کا سب سے پہلا ناول ''مرآۃ العروس'' اور اس کے بعد دوسرا ناول ''بنات النعش'' منظر عام پر آیا، دونوں کا موضوع تعلیم نسواں ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے تعلیمی اور اصلاحی سلسلہ کو آگے بڑھانے میں رشید النساء کا نام سرفہرست ہے۔ رشید النساء پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا، اور عورتوں کی اصلاح کے لیے ''اصلاح النساء'' جیسا دلچسپ ناول تخلیق کیا۔ ''اصلاح النساء'' اردو کے ابتدائی ناولوں میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''مرآۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔

ذرا غور کیجئے! اس صدی میں جب خواتین کے لیے پڑھنا معیوب اور لکھنا جرم سمجھا جاتا تھا، وہ اپنے گھروں کے اندر محصور تھیں، سگے باپ بھائیوں سے بھی پردہ کیا جاتا تھا۔ رشید النساء نے نہ صرف لکھنا پڑھنا سیکھا بلکہ اصلاح خواتین کا علم اٹھایا اور انہیں بیدار کرنے اور جگانے کا کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے ایک طرف ''اصلاح النساء'' لکھ کر جہالت و توہم پرستی کی شناعت بیان کی اور تعلیم کی اہمیت و افادیت اجاگر کیں تو دوسری طرف انہوں نے ''زنانہ مدرسہ'' کھول کر عملی طور پر تعلیم نسواں کے فروغ میں حصہ لیا۔

''اصلاح النساء'' 1881 میں لکھا گیا،لیکن اس کی اشاعت 1894 میں ہوئی۔''اصلاح النساء'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اصلاحی اور مقصدی ناول ہے۔اس کی بنیادی غرض و غایت تعلیم نسواں ہے،معاشرہ میں خاص طور پر عورتوں میں تعلیم کی کمی،غلط رسم ورواج کی پاسداری،توہم پرستی،بدعقیدگی اور ان جیسے دوسرے مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔رشید النساء بلند خیال اور روشن دماغ خاتون تھیں،انہوں نے عورتوں کے حقوق اور تعلیم نسواں کی آواز اس وقت بلند کی جب ان کا گھر سے باہر قدم نکالنا جرم تصور کیا جاتا تھا،لیکن انہوں نے سماجی بندشوں اور رسومات کی بیڑیوں کو توڑ کر آگے قدم بڑھایا۔انہوں نے علم کا جو چراغ روشن کیا تھا اس کی روشنی دور دور تک پھیلنے لگی۔آج بھی ان کا روشن کیا ہوا چراغ علم کی روشنی بکھیر رہا ہے۔انہوں نے اپنے عمل سے حالات کے خلاف ٹکر لینا سکھایا،زمانے کے رخ کے خلاف چلنے کا حوصلہ دیا،تعلیم نسواں کی پرزور حمایت کی،انگریزی اور دوسرے جدید علوم مثلاً سائنس اور تکنالوجی کی تعلیم کے حصول کی ترغیب دی۔

رشید النساء اردو کی پہلی خاتون ناول نگار ہیں،لیکن اس کے باوجود اردو ناول کی ابتدائی تاریخ لکھنے والوں نے صرف تین ناول نگاروں کا ذکر کیا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد،عبدالحلیم شرر اور رتن ناتھ سرشار۔بہار کے دو اہم ناول نگار شاد عظیم آبادی اور رشید النساء کا ذکر تک نہیں ملتا ہے۔شاد عظیم آبادی کے ناول ''صورۃ الخیال'' عرف ولایتی کی آپ بیتی کا ذکر انیسویں صدی میں لکھے گئے ناولوں کی حیثیت سے تو کیا بھی جاتا ہے لیکن پہلی خاتون ناول نگار رشید النساء کا نام تک نہیں آتا ہے۔اردو کے بیشتر ناقدین اور محققین نے اردو ناول نگاری کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے رشید النساء اور ان کے ناول ''اصلاح النساء'' کو نظر انداز کیا ہے،اگر کسی نے ذکر بھی کیا ہے تو رسماً۔جس کا نتیجہ ہے کہ اب تک رشید النساء کے کارنامے پردہ خفا میں ہیں۔ڈپٹی نذیر احمد نے جب اصلاح خواتین کے لیے ناول لکھے تو اس کی حمایت میں عورتوں کی طرف سے سب سے پہلی آواز رشید النساء نے بلند کی۔حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اتنا اہم ناول 1894ء میں پہلی اشاعت کے بعد دوسری مرتبہ 2007 میں منظر عام پر آیا،گویا 113 سالوں تک اس کا کوئی ایڈیشن پٹنہ یا بہار سے شائع نہیں ہوا۔اس درمیان اس کے دو ایڈیشن شائع بھی ہوئے تو پاکستان سے۔رشید النساء اور اصلاح النساء کے تعلق سے کتابوں میں بہت کم معلومات فراہم ہیں،حالانکہ اصلاح النساء کی تاریخی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ جب یہ ناول تخلیق کیا گیا اس وقت اردو ناول پاؤں پاؤں چلنا سیکھ رہا تھا،یہ فن

ابتدائی مرحلہ میں تھا۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادیبوں اور ناقدوں نے رشید النساء کو وہ مقام نہیں دیا جس کی وہ حقدار تھیں۔

میں اردو ڈائرکٹوریٹ،محکمہ راج بھاشا کا ممنون ہوں کہ انہوں نے بہار کے نامور ادیبوں اور تخلیق کاروں پر فردنامے (مونوگراف) شائع کروانے کا خوش آئند سلسلہ شروع کیا ہے۔یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔اس کتاب میں رشید النساء کی حیات و خدمات اور تعلیمی و ادبی کارناموں پر روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔اصلاح النساء کا سرسری جائزہ کے ساتھ ساتھ فن کا معروضی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ اصلاح النسا کی ادبی قدر و قیمت کی تعین ہو سکے۔مجھے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے گراں گزر رہا ہے کہ رشید النساء کے احوال بہت کم دستیاب ہیں۔بہار کے قلم کاروں نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا ہے یا پھر نہایت سرسری طور پر کیا ہے۔میں نے اس مونوگراف میں ان کے خاندانی احوال بھی سپرد قلم کئے ہیں تاکہ ان کا علمی و ادبی پس منظر بھی آشکارا ہو جائے۔

مونوگراف کی ترتیب میں اصلاح النساء کے علاوہ مصنفہ کی صاحبزادی نثار کبریٰ کے شعری مجموعہ ''خیالات کبریٰ'' اور ڈاکٹر آصفہ واسع کی کتاب ''بہار میں اردو ناول نگاری'' سے خصوصی طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔اس کے ماسویٰ ان کے نواسے معروف ماہر تعلیم ڈاکٹر اقبال حسین،سابق پرنسپل پٹنہ کالج و سابق ممبر بہار پبلک سروس کمیشن کی کتاب ''داستان میری'' سے خاندانی احوال کے سلسلے میں فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ رشید النساء کی شخصیت اور فن پر بہت کم لکھا گیا ہے۔اس مونوگراف میں ان کی شخصیت،فن اور خدمات کو اجاگر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔مجھے اپنی کم مائیگی کا پورا احساس ہے،لیکن مجھے خوشی ہے کہ ایک ایسی فن کار کی شخصیت اور فکر و فن کو منظر عام پر لایا گیا ہے جن کو قلم کاروں اور ادیبوں نے ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔یہ کتاب رشید النساء کی شخصیت اور فن کو جاننے اور سمجھنے کے لئے رہنما ثابت ہوگی۔میں اردو ڈائرکٹوریٹ کے ڈائرکٹر جناب سید احمد محمود صاحب کا بہت مشکور ہوں جن کے ڈائرکٹرشپ میں مونوگراف کی ترتیب کا کام پایہ تکمیل تک پہنچ رہا ہے۔مجھے امید ہے کہ اہل علم و ادب اس کاوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر نورالسلام ندوی

رشیدالنساء — ایک نظر میں

نام	رشیدالنساء
والد	شمس العلما مولوی سید وحیدالدین خان بہادر
والدہ	حورالنساء بیگم
دادا	سید امداد علی
نانا	سید محمد تقی خان
وطن	کرائے پرسرائے (پٹنہ) اب نالندہ
ولادت	1853ء
تعلیم	گھر پر رہ کر حاصل کی
شادی	مشہور وکیل مولوی محمد یحییٰ سے ہوئی۔
اصلاح النساء کی تصنیف	1881ء
اصلاح النساء کی اشاعت	1894ء
مدرسہ اسلامیہ کا قیام	1906ء
شوہر کا انتقال	1909ء
حج بیت اللہ	1910ء
وفات	1931ء
تدفین	ہیبت گنج قبرستان، پٹنہ سیٹی
اولادیں	(پانچ لڑکے)

(۱) محمد سلیمان (۲) غلام مولیٰ (۳) مولوی غلام مرتضیٰ (۴) مولوی غلام وارث (۵) غلام مصطفیٰ

(پانچ لڑکیاں)

(۱) نسیم النساء (۲) نثار فاطمہ (۳) نثار کبریٰ (۴) کلثوم (۵) بی بی ہاجرہ

رشیدالنساء — پیدائش، تعلیم و تربیت

''رشیدالنساء'' سرورق پر نام پڑھ کر آپ یقیناً چونک گئے ہونگے۔ آپ کو لگتا ہوگا کہ یہاں پر مصنف سے سہو اور چوک ہوگئی ہے۔ درست نام ''رشیدۃ النساء'' ہونا چاہئے۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا، خود اردو ڈائرکٹوریٹ کی یادگاری تقریب میں ان کا نام ''رشیدۃ النساء'' ہی درج ہے۔ بہار کے تقریباً تمام مصنفین، ناقدین اور ادبی تاریخ نگاروں نے ان کا نام ''رشیدۃ النساء'' ہی لکھا ہے۔ لیکن جب میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا اور ان سے متعلق مضامین، مقالات اور کتابیں میری نظر سے گذرنے لگیں (اور الحمدللہ ان سے متعلق اکثر مطبوعہ چیزیں میں نے دیکھ لی ہیں) تو مجھے حیرت ہوئی کہ ان کا صحیح نام ''رشیدالنساء'' ہی ہے۔ رشیدۃ النساء نہیں ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

''اصلاح النساء'' کی پہلی اشاعت میں سرورق پر مصنفہ کا نام درج نہیں ہے۔ لیکن 2007ء میں جب خدابخش لائبریری نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس کے سرورق پر مصنفہ کی حیثیت سے ''رشیدالنساء'' ہی درج ہے۔ پاکستان سے اس ناول کے جتنے ایڈیشن شائع ہوئے ان پر ناول نگار کی حیثیت سے ''رشیدالنساء'' ہی لکھا ہوا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ طابع و ناشر کی غلطی سے ایسا ہوگیا ہوگا۔ جی ہاں! طابع و ناشر سے غلطیاں ہوتی ہیں اس کا مجھے اعتراف ہے لیکن نام کی تصحیح کے اور دوسرے پختہ شواہد و دلائل بھی موجود ہیں۔ کسی شخص کا نام افراد خاندان سے بہتر کوئی دوسرا نہیں جان سکتا ہے۔ مصنفہ کے نواسے جناب سید اقبال حسین نے اپنی خودنوشت ''داستان میری'' کے صفحہ نمبر 76 پر اپنی نانی مرحومہ کا نام ''رشیدالنساء'' ہی تحریر کیا ہے۔ میرے خیال میں اس کے بعد مزید کسی اور شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ تاہم ایک اور ثبوت جس سے میری تحقیق حتمی اور قطعی ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنفہ کی صاحبزادی محترمہ نثار کبریٰ کے مجموعہ کلام ''خیالات کبریٰ'' کے مقدمہ میں بھی ان کی والدہ کا نام ''رشیدالنساء'' ہی درج ہے۔ اس لئے اب اس امر میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مصنفہ کا صحیح نام ''رشیدالنساء'' یعنی ''تائے

مدورہ'' کے بغیر ہے۔

اردو کی پہلی خاتون ناول نگار رشید النساء کی پیدائش 1853 میں پٹنہ کے ایک ممتاز علمی خانوادہ میں ہوئی۔ رشید النساء خود کہتی ہیں کہ غدر کے ہنگامے میں ان کی عمر چار سال کی تھی، آپ سید وحید الدین خاں بہادر کی صاحبزادی تھیں، جو نامور ان بہار میں تھے، ان کی تین شادیاں تھیں۔ پہلی بیوی سے چار لڑکے اور ایک لڑکی رشید النساء، ان کے دادا کا نام سید امداد علی تھا، ان کے بھائی سید فضل امام تھے، ان کے والد کی دوسری بیوی سے یوسف امام اور امداد امام اثر ہیں، جبکہ تیسری بیوی سے جعفر امام ہوئے جن کے صاحبزادے آل امام نے علمی دنیا میں بہت شہرت پائی۔ بقول فصیح الدین بلخی:

''رشیدۃ النساء 1855 میں پیدا ہوئیں، اپنے والد سے گھر ہی میں تعلیم پائی، ان کی شادی پٹنہ کے مشہور وکیل مولوی محمد یحییٰ صاحب سے ہوئی۔ شادی کے بعد انہوں نے عورتوں کو قرآن شریف کا درس دینا شروع کیا، اور محلّہ کی اکثر لڑکیوں نے ان سے تعلیم پائی۔ پھر ایک زنانہ مدرسہ قائم کیا، جس کو 1906 میں لفٹنٹ گورنر بنگال و بہار کی بیوی لیڈی فریزر نے آ کر ملاحظہ کیا، رشیدۃ النساء کا چوہتر برس کی عمر میں 1929 میں انتقال ہوا، ان کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ سر علی امام مرحوم کی اہلیہ انیس امام ان کی نواسی ہیں۔''(۱)

رشید النساء کے سال ولادت میں اختلاف ہے، فصیح الدین بلخی کی رائے میں ان کی پیدائش 1855 میں ہوئی۔ جبکہ ڈاکٹر آصفہ واسع اور ڈاکٹر اقبال حسین نے ان کا سال پیدائش 1853 تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر اقبال حسین، رشید النساء کے نواسے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی بات زیادہ محقق معلوم ہوتی ہے۔ ان کی وفات 1931 میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر 78 سال تھی۔ ہیبت جنگ قبرستان پٹنہ سیٹی، میں سپرد خاک ہوئیں۔

رشید النساء کا سسرالی خانوادہ بھی اپنی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات کی وجہ سے پورے بہار میں بڑا ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ رشید النساء کی شادی مولوی محمد یحییٰ ابن خان بہادر نعمت علی خاں سے ہوئی۔ یہ نبی نگر ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے۔ خود ان کے شوہر مولوی محمد یحییٰ مشہور وکیل تھے۔ جبکہ ان کے دیور سید مولوی امداد امام کو انگریزی حکومت نے شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ سر علی امام انہیں کے صاحبزادے ہیں۔ مولوی محمد یحییٰ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، انہوں نے قانون کی ڈگری حاصل کی تھی اور پٹنہ کے

دیوانی عدالت کے مشہور وکیل تھے۔ ان کا شمار نامور وکلا میں ہوا کرتا تھا، پٹنہ سیٹی کے محلّہ مدرسہ میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں انہوں نے رہائش کے لئے جدید طرز کی عمارت تعمیر کروائی تھی۔ موصوف بانکی پور پٹنہ میں وکالت کیا کرتے تھے، اس لیے سبزی باغ میں بھی ایک مکان خرید لیا تھا اور یہاں بھی قیام کیا کرتے تھے۔ بقول سید اقبال حسین ہفتہ کے چھ دن اس مکان میں گزارتے تھے، سنیچر کی شام کو محلّہ مدرسہ والے مکان میں مع اہل وعیال چلے جاتے تھے۔ تعطیلات کے ایام میں بھی مدرسہ پر قیام کرتے تھے۔ مولوی محمد یحییٰ شاد عظیم آبادی کے ہم عصر تھے اور دونوں میں دوستانہ تعلقات تھے۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب طبعاً نیک، شریف، سخی اور دیندار انسان تھے۔ ان کے گھر پر بڑی چہل پہل رہا کرتی تھی، فن موسیقی کے ماہر تھے اور شعر وادب سے خاصا شغف رکھتے تھے، اپنے یہاں بزم سخن بھی آراستہ فرماتے تھے جس میں شاد عظیم آبادی جیسے بڑے شعراء بھی شرکت فرمایا کرتے تھے۔

مولوی محمد یحییٰ صاحب کی پورے شہر میں بڑی عزت تھی۔ بلند خیال، وسیع نظر اور خداترس انسان تھے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے طرفدار تھے، جب ان کی اہلیہ رشید النساء نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے زنانہ مدرسہ قائم کیا تو انہوں نے ان کی ہر طرح سے مدد اور حوصلہ افزائی کی۔ مولوی محمد یحییٰ کا انتقال ۱۹۰۹ء میں ہوا، نواب ہیبت جنگ قبرستان، بیگم پور، پٹنہ سیٹی میں مدفون ہوئے۔ رشیدۃ النساء کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر آصفہ واسع تحریر کرتی ہیں:

''رشیدۃ النساء کی شادی پٹنہ کے مشہور وکیل مولوی محمد یحییٰ سے ہوئی تھی، شمس العلماء سید مولوی امداد صاحب ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ جن کے لڑکے سر علی امام صاحب سے انیس امام صاحبہ کی شادی ہوئی تھی۔ رشیدۃ النساء صاحبہ عقیدتاً سنی مسلمان تھیں۔ بہت روشن خیال، مزار پرستی اور ٹوناٹوٹکا کی مخالف تھیں۔ غلط عقائد جو لوگوں کے درمیان پھیلے ہوئے تھے۔ انہیں دور کرنا چاہتی تھیں۔ خود بہت عبادت گزار اور تہجد گزار تھیں۔ غریبوں کے ساتھ انتہائی ہمدردی سے پیش آتی تھیں۔ یتیم بچوں اور بیواؤں کی شادی میں مدد فرض سمجھتی تھیں۔ بہت زندہ دل اور خوش مزاج خاتون تھیں۔ درمیانے قد کی گوری اور خوبصورت خاتون تھیں۔ ان کے پانچ لڑکے تھے۔ محمد سلیمان، محمد مرتضیٰ، غلام مولا، غلام وارث اور مصطفیٰ اور پانچ لڑکیاں نصیب النساء

، نیاز فاطمہ، نثار کبریٰ، کلثوم اور ہاجرہ تھیں، لیڈی انیس امام نثار کبریٰ کی صاحبزادی ہیں۔''(۲)

رشیدالنساء کثیر العیال تھیں۔ ان کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑے لڑکے کا نام محمد سلیمان تھا۔ جنہوں نے ولایت سے وکالت کی تعلیم حاصل کی تھی، بھوپال اور حیدرآباد میں جج کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ دوسرے لڑکے غلام مولیٰ تھے، جو کلکتہ میں بس گئے وہیں ایک امیر گھرانے میں شادی کر لی اور زمیندارانہ زندگی بسر کی۔ بقول اقبال حسین غلام مولیٰ کے تعلقات مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت اچھے تھے۔ ان کا انتقال عالم شباب میں ہی ہو گیا۔ تیسرے لڑکے مولوی غلام مرتضیٰ تھے، انٹر پاس کرنے کے بعد ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد پڑھائی چھوڑ دی اور پوری زندگی تجرد میں گذار دی۔ چوتھے لڑکے کا نام مولوی غلام وارث تھا، انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، وکالت کا کورس کیا اور اسی پیشہ کو اختیار کیا جوان کا خاندانی پیشہ تھا۔ سب سے چھوٹے بیٹے کا نام غلام مصطفیٰ تھا، ان کا انتقال کم سنی میں ہی ہو گیا تھا۔

بیٹیوں میں سب سے بڑی بی بی نسیم النساء تھیں، ان کی شادی باڑھ کے رہنے والے سید محمد ہاشم سے ہوئی۔ یہ پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ اردو فارسی کے علاوہ انگریزی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ نثار فاطمہ ان کی دوسری بیٹی تھیں، یہ بھی خاصی پڑھی لکھی اور مہذب خاتون تھیں۔ اردو فارسی اور عربی کی تعلیم انہوں نے اپنی والدہ رشیدالنساء سے حاصل کی اور انگریزی کی تعلیم اپنے والد مولوی محمد یحییٰ سے حاصل کی۔ ان کی تیسری لڑکی کا نام نثار کبریٰ تھا۔ نہایت ذہین اور تعلیم یافتہ تھیں۔ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی چاروں زبانیں جانتی تھیں۔ ان کی شادی سید رضا کریم سے ہوئی۔ انہیں شعر و شاعری کا ذوق بچپن سے تھا۔ مضمون نویسی میں مہارت تھی۔ اچھی شاعری کرتی تھیں، ان کا ایک شعری مجموعہ '' خیالات کبریٰ'' کے نام سے 1939 میں شائع ہوا تھا۔ یہ نسخہ خدابخش لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا دیباچہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا اصل محرک ''مسدس حالی'' اور'' بانگ درا'' ہے۔ انہوں نے'' خیالات کبریٰ'' کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے:

''مسدس حالی میری راہبر ہوئی اور وسط عمر میں بانگ درا پہنچی، پھر تو ان دو کتابوں کی شیدا ہوگئی اور اپنے وظیفہ کے جزدان میں ان کتابوں کو رکھنے لگی۔ 1934 میں جب حج کے لئے گئی تو ان کتابوں کو ساتھ لے گئی اور میدان عرفات میں

اور مدینہ منورہ میں اس کی دعاؤں کو پڑھ کر خدا سے دعائیں مانگنے لگی۔(۳)

نثار کبریٰ نظم و نثر دونوں میں بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں، ان کے شعری مجموعہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظم نگاری میں ان کو بے پناہ صلاحیت تھی۔ اس عہد کے بڑے بڑے شعراء نے بھی ان کی شعری صلاحیت کی داد دی ہے۔ شاد عظیم آبادی اور مبارک عظیم آبادی نے بھی ان کی شعر گوئی کو سراہا ہے۔ ان کے کلام اور مضامین اس عہد کے اخبارات اور رسائل میں خوب خوب شائع ہوتے تھے۔ چوتھی لڑکی کلثوم بیگم تھی، ان کی شادی نجم الحسن ابن سید بدرالحسن ظہوری سے ہوئی تھی۔ سب سے چھوٹی بیٹی بی بی ہاجرہ تھیں۔ ان کی بھی اردو اور فارسی کی اچھی تعلیم ہوئی تھی۔ والدہ سے قرآن پاک اور اردو کی تعلیم حاصل کی، مطالعہ سے اچھی دل چسپی تھی۔ ادبی ذوق بھی بہت اچھا تھا۔ ان کی شادی نیورہ ضلع پٹنہ کے احمد حسین خان صاحب سے ہوئی تھی، جو پٹنہ کے ضلع مجسٹریٹ اور کلکٹر ہوئے۔

رشیدالنساء نے کسی اسکول یا مدرسہ سے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ ان کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس زمانے میں خواتین کی تعلیم کا عام رجحان نہیں تھا۔ عورتیں گھر کے اندر پردے میں رہا کرتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے گھر میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ گھر کی علمی و ادبی فضا نے ان کی زندگی اور شخصیت پر گہرا اثر ڈالا اور علم و ادب سے خاصی مناسبت پیدا ہوگئی۔ زاہدہ حنا تحریر کرتی ہیں:

''رشیدالنساء نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ علمی اور ادبی مجلسوں اور مشاعروں کا تھا۔ ان کے اردگرد کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ بھائی امداد امام سے عربی، فارسی، سنسکرت، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور لاطینی ادب کے بارے میں سنا۔ میاں کے گھر گئیں تو انہیں فن موسیقی میں ماہر و یکتا پایا۔ مشاہیر ہندوستان ان کے میکے اور سسرال میں مہمان ہوتے۔ اپنے زمانہ کی علمی، ادبی اور سیاسی بحثیں ان کے کان میں پڑتیں۔ اس زمانے کے ہندوستان کی گنی چنی ہندو اور مسلمان عورتوں کے حصے میں یہ ماحول آیا تھا۔''(۴)

رشیدالنساء کی صاحبزادی نثار کبریٰ کے شعری مجموعہ '' خیالات کبریٰ'' کے مقدمہ میں اظہر سلیمان اظہر عظیم آبادی رشیدالنساء کی تعلیم سے متعلق لکھتے ہیں:

''محترمہ موصوفہ نے اپنے مکان میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس عصر میں جو معمولی تعلیم انہوں نے حاصل کی تھی وہ بھی عظیم آباد میں رسمی نقطہ نظر سے اچھی نہیں سمجھی جاتی تھی اور

ایسی ایسی پابندیاں عائد تھیں کہ آج کل کی لڑکیوں کو وہ دور میسر آجائے تو ایک حرف
حاصل کرنے کو بھی راضی نہ ہوں۔'' (۵)

اس عہد کے حالات اور رسم ورواج کے برخلاف رشید النساء کو پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ ان کے اندر تعلیم حاصل کرنے کی تڑپ اور لگن تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانے کے برخلاف انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ ان کے والد خان بہادر سید وحید الدین خاں گرچہ مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے، مگر روشن خیال اور وسیع النظر انسان تھے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور لاطینی زبانوں میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی کی تعلیم کا انتظام گھر پر کیا اور ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی۔ ان کی دوسری بیٹی نثار کبریٰ اپنی والدہ ماجدہ کی تعلیم کے بارے میں تحریر کرتی ہیں:

''خدا جنت نصیب کرے ہماری والدہ کو بھی پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ قرآن شریف تو بچپن ہی میں پڑھ چکی تھیں، سن شعور پا جانے کے بعد اردو لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور اپنی بڑی لڑکی کو بھی لکھنا پڑھنا سکھایا اور اصلاح رسوم پر ایک کتاب اصلاح النساء لکھی جو وطن میں بہت مقبول ہوئی۔'' (۶)

سیدہ رشید النساء کا تعلق دبستان عظیم آباد کے نہایت ہی عظیم خانوادے سے ہے۔ اس خانوادے کا رشتہ نواب سیف علی خان سے ہے۔ جن کا تعلق مغلیہ خاندان سے تھا اور وہ مغل دور حکومت میں بہار کے گورنر ہوا کرتے تھے۔ رشید النساء کا خاندان بہار ہی نہیں ہندوستان کے صاحب ثروت خاندانوں میں سے ایک تھا۔ وہ نواب امداد امام اثر کی بہن اور سر امام علی اور حسن امام جیسی بڑی شخصیتوں کی پھوپھی تھیں۔ ان کے بڑے بھائی امداد امام اثر ہندوستان کے ان بڑے نقادوں میں سے ہیں جن کی تنقید نے بہت سے اہل قلم اور شعراء کی ادبی اور شعری عمارتوں میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ آزاد اور اثر تخلص کرتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم پنجاب کے مشہور عالم مولوی سید علی کے یہاں ہوئی۔ انہوں نے پٹنہ کالجیٹ پٹنہ سے ۱۹ رسال کی عمر میں انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد پٹنہ کالج سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ بنارس سے لاء کی ڈگری حاصل کی۔ لیکن اس پیشہ کو انہوں نے جلد ہی خیر آباد کہہ دیا۔ وہ نواب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے شہسواری اور نشانہ بازی کا شوق انہیں ورثہ میں ملا تھا۔ وکالت چھوڑنے کے بعد انہوں نے پٹنہ کالج میں عربی اور فارسی کے استاذ کے طور پر خدمات انجام دیں۔

امداد امام اثر ایک بڑے وسیع العلم انسان تھے۔ ان کا مطالعہ بڑا گہرا اور عمیق تھا اور بقول وہاب اشرفی وہ قاموسی ذہن کے مالک تھے۔ ان کا تعلق مختلف علوم وفنون سے بڑا گہرا تھا۔ شعروادب، زراعت، ارضیات، سیاست، معاشرت، اخلاق اور مذہبیات وغیرہ پر انہوں نے بڑی قابل قدر کتابیں تصنیف کیں۔ کاشف الحقائق ان کی مشہور ترین تصنیف ہے۔

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے فکر وفن کے اعتبار سے مولانا حالی پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان کے خسر کا شمار بھی بہار کی ممتاز شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ ان کے خسر صدر اعلی خان بہادر نعمت علی خاں تھے۔ رشید النساء نے ایک علمی خانوادے میں آنکھ کھولی جہاں مادی اور علمی نعمتوں کا خزانہ قدرت کے فیاض ہاتھوں نے جمع کر دیا تھا۔ بیاہ کر کے ایسے گھر میں آئیں جو علم وادب کا گہوارہ تھا۔ انہوں نے کتابوں کے بیچ پرورش پائی اور کتابیں ہی ان کی تنہائی کی رفیق تھیں۔ اس لئے فکری طور پر رشید النساء علم وادب کی اسیر تھیں۔

ان کا دل معاشرہ میں خواتین کے حال زار سے کڑھتا تھا۔ انہیں عورتوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح کی فکر بے کل کئے رکھتی تھی۔ اس لئے انہوں نے مدرسہ اسلامیہ کے نام سے خواتین کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے اخراجات آپ اپنی جیب خاص سے پورے کیا کرتی تھیں۔ اس مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے والی متعدد خواتین نے بعد کو علمی دنیا میں شہرت پائی۔

فکر وفن اور علم وادب سے ان کی دلچسپی اور کتابوں سے محبت بلکہ عشق کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے خدا بخش خاں لائبریری کے بانی خان بہادر خدا بخش خاں کو اپنا منہ بولا بھائی بنا رکھا تھا اور وہ بھی انہیں اپنی بہن مانتے تھے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ خان بہادر خدا بخش جب نادر ونایاب کتابیں جمع کر رہے تھے تو یہی رشید النساء ان کی دست بازو بنی ہوئی تھیں اور بڑی محنت ومشقت کر کے یہ دونوں بھائی بہن خدا بخش لائبریری کے علمی خزانے میں اضافہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر اشرف جہاں تحریر کرتی ہیں:

''خان بہادر خدا بخش خاں بانی خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری رشید النساء کو بہن مانتے تھے۔ وہ کتابیں منگواتے، کچھ چوری کی بھی ہوتی تھیں، رشید النساء ان کتابوں کی دیکھ بھال کرتیں۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں مطالعہ کا موقع بھی پورا ملا ہوگا۔ ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب خودنوشت ''داستان میری'' میں رشید النساء کا ان کتابوں کو بہ حفاظت رکھنے کا ذکر ہے۔ اقبال حسین پٹنہ کالج کے پرنسپل بھی تھے۔ ان کا

شمار ماہرین تعلیم میں ہوتا ہے۔''(۷)

خاندانی وجاہت و وقار کی وجہ سے اکثر ان کے یہاں آس پڑوس کی خواتین کا جمگھٹا رہتا تھا۔ مختلف مزاج و مذاق کی عورتیں جن کا تعلق مختلف طبقات سے ہوا کرتا تھا، وہ آ کر اپنے اپنے انداز سے اپنے گھر کی کہانیاں بیان کرتی تھیں۔ان خواتین کی کہانیوں سے جہالت، بدعات، خرافات، توہم پرستی اور شرکیہ عمل کی بدبو بھی آتی تھی اورعورتوں کی ناخواندگی اور پھوہڑ پن بھی جھلکتی تھی۔ان حالات نے بھی ان کو بہت تڑپایا، اس لئے انہوں نے خواتین کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ایک طرف خواتین کی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ اسلامیہ قائم کیا تو دوسری طرف انہوں نے خود بھی قلم اٹھالیا۔اور اصلاح النساء کے ذریعہ ناول نگاری کے پائدان میں زنانہ قدم کا اوّلین نقش زمین ادب پر اتار دیا گیا۔

رشیدالنساء مدرسہ میں لڑکیوں کو خود پڑھاتیں۔محلّہ اور شہر میں گھر گھر جا کر لوگوں سے کہتیں کہ لڑکیوں کو پڑھنے کے لئے مدرسہ بھیجیں۔ دھیرے دھیرے لڑکیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔شہر کے لوگوں کا رجحان مدرسہ کی جانب ہونے لگا اورعورتوں کا شوق پروان چڑھنے لگا۔ بڑے بڑے مسلم گھرانوں کی لڑکیاں مکتب میں داخلہ لے کر پڑھنے لگیں۔اس وقت بنگال کے گورنر سر فریزر کی بیگم لیڈی فریزر نے 1906 میں اس مدرسہ کا معائنہ کیا اور وہ رشید النساء کے کام سے بہت متاثر ہوئیں۔انہوں نے ان کے کام کی تعریف کی اوران کا حوصلہ بڑھایا۔رشیدالنساء مکتب کو مزید ترقی دینا چاہتی تھیں۔انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم کا جو خواب دیکھا تھا، اس میں رنگ بھرنے کے لئے دل وجان سے محنت کرتی تھیں۔بادشاہ نواب رضوی عظیم آباد کے ایک رئیس اور بہت مالدار شخص تھے۔انہوں نے علم دوستی اور فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے اسکول قائم کرنے کے لئے کافی زمین دی اور مالی مدد بھی فراہم کی۔اس لئے اس اسکول کا نام بادشاہ نواب رضوی پڑ گیا۔بتیا کی مہارانی نے اسکول کے لئے عمارت دی۔اسی مناسبت سے اسکول کی عمارت کا نام''بتیا ہاؤس'' رکھا گیا۔اب یہ اسکول ترقی کر کے بادشاہ نواب رضوی ٹریننگ کالج کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہاں صرف لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ پٹنہ میں یہ پہلا زنانہ اسکول تھا، جسے رشید النساء نے قائم کیا۔ڈاکٹر آصفہ واسع رقم طراز ہیں:

''ان کے خاندان میں تعلیم کا بہت چرچا تھا، انہوں نے ایک مدرسہ اسلامیہ کھولا تھا تاکہ مسلمان لڑکیاں تعلیم حاصل کرسکیں۔ یہ مدرسہ بہت دنوں تک کامیابی کے

ساتھ چلتا رہا جسے بعد میں بادشاہ نواب رضوی نے B.N.R. اسکول کے نام سے منتقل کر دیا اور اسے جائداد عطا کی۔ بتیا کی رانی نے اس اسکول کے لئے مکان دیا تھا جس کی وجہ سے اس اسکول کو''بتیا ہاؤس'' بھی کہتے ہیں۔اس اسکول میں پہلی بار لیڈی انیس امام وغیرہ داخل ہوئی تھیں، اس میں ایک ہوسٹل بھی تھا جس کی نگراں مصنفہ کی بڑی لڑکی نصیب النساء مقرر کی گئی تھیں۔تعلیم سے یہی رغبت اب تک ان کے خاندان کے افراد میں پائی جاتی ہے۔لیڈی انیس امام کے مکان میں بھی ایک مدرسہ قائم ہوا تھا، جس کی طالبہ میں خود رہی ہوں۔ بعد میں اس مدرسہ کو پٹنہ میونسپلٹی نے قبول کر کے خرچ کا ذمہ اٹھایا اور اب تک یہ مدرسہ انیس آباد میں قائم ہے۔جس میں سیکڑوں لڑکیاں دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

تعلیم کی اسی دلچسپی کی وجہ سے انہوں نے ایک اصلاحی ناول لکھا جس کا نام''اصلاح النساء'' ہے''اصلاح النساء'' کے دوسرے ایڈیشن کے سرورق پر جس میں دونوں جلدیں شامل ہیں لکھا ہے

اصلاح النسا از تصنیفات تاج النساء فخر نسواں والدہ محمد سلیمان سلمہ الرحمٰن بیرسٹرایٹ لاو بنت شمس العلماء مولوی سید وحیدالدین خاں بہادر مرحوم ومغفور و ہمشیرہ شمس العلما مولوی سید امداد امام صاحب وآنریبل فضل امام خاں بہادر۔''(۸)

رشیدالنساء کی سماجی و اصلاحی خدمات کے حوالہ سے ان کے نواسے ڈاکٹر اقبال حسین اپنی تصنیف'' داستان میری'' میں لکھتے ہیں۔اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''نانی مرحومہ کے والد شمس العلماء خاں بہادر وحیدالدین ایک باوقار عالم و فاضل اور مشرقی تہذیب وتمدن کے دلدادہ مگر روشن دماغ اور وسیع النظر انسان تھے۔ان کے گھرانے میں علم وادب کا چرچا رہا کرتا تھا۔اسی ماحول میں میری نانی مرحومہ نے آنکھ کھولی اور اسی ماحول میں تعلیم وتربیت پائی جس کے اثر سے آپ ایک باشعور حساس اور ذہین خاتون بنیں۔اردو زبان وادب سے بھی آپ کو گہری دلچسپی اور واقفیت تھی۔ موصوفہ کے زمانے میں مسلمانوں کا معاشرہ بہت بگڑا ہوا تھا۔عورتوں کی جہالت، توہم

پرستی، شادی بیاہ کی غلط رسوم کی سختی سے پابندی نے معاشرتی نظام کو درہم برہم اور اقتصادی حالت کو بد سے بدتر کر دیا تھا۔ عورتوں کو لکھنا پڑھنا عیب کی بات سمجھی جاتی تھی۔ نانی مرحومہ نے ان خرابیوں کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اس نتیجہ پر پہونچیں کہ ان تمام برائیوں کی واحد وجہ عورتوں کی جہالت اور ناخواندگی ہے۔ چنانچہ اس کے انسداد کے خیال سے سب سے پہلے عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جس کی نگرانی خود کیا کرتی تھیں۔ مزید برآں ایک کتاب بنام ''اصلاح النساء'' دو جلدوں میں تصنیف کی تا کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں۔''(۹)

رشیدالنساء:
ملکی و بین الاقوامی نسائی تحریک کے پس منظر میں

رشیدالنساء اردو ناول نگاری کی دنیا میں پہلی خاتون ناول نگار کی حیثیت سے ممتاز و معروف ہیں۔ رشیدالنساء کا ناول ''اصلاح النساء'' اس عہد میں کسی خاتون فکشن نگار کے لئے بڑا کارنامہ تھا۔ رشیدالنساء اردو کے مشہور و معروف شاعر و نقاد امداد امام اثر کی بہن تھیں۔ ان کی باضابطہ کوئی اسکولی تعلیم نہ تھی۔ گھریلو ماحول علمی و ادبی ہونے کے باوجود اپنے والد کے ذریعہ محدود تعلیم ہی حاصل کر پائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں برصغیر بالخصوص مسلم خاندانوں میں عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

عظیم آباد کو یہ شرف حاصل ہے کہ اردو کی پہلی خاتون ناول نگار اسی زرخیز مٹی سے ہے۔ رشیدالنساء اور ان کی تخلیق ''اصلاح النساء'' کی اہمیت و افادیت کو سماج و ادب میں جاننے اور سمجھنے کے لئے یہ مناسب معلوم ہوتا کہ اس وقت کی یورپ، نوآبادیات اور برصغیر بالخصوص موجودہ ہندوستان میں عورتوں کی سماجی و ادبی حیثیت کیا تھی؟ اس پر روشنی ڈالی جائے۔

یوروپ میں Thought of Liberty (بانی جے. ایس. میل) کے بعد عورتوں کے حقوق کے لئے حکومتی اور عوامی سطح پر خوش آیند بیداری اور سرگرمی دیکھنے میں آتی ہے۔ یہاں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطح پر عورتوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور اس کے لئے کتب خانے قائم کئے گئے، جس کے نتیجہ میں یہاں کی عورتوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہوا اور Marie Curie جیسی ناول انعام یافتہ خاتون یوروپ کو نصیب ہوئی۔ نوآبادیات کی صورت حال یہ تھی کہ وہ خود کو یوروپ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، چونکہ نوآبادیات کی خمیر میں پورا یوروپ بسا ہوا ہے۔ اس خطہ میں انیسویں صدی میں عورتوں کی تعلیم اور حقوق کے تعلق سے یوروپ جیسا وسیع ماحول تو نہیں تھا تاہم حکومتی اور تنظیمی سطح پر بہت حد تک نسائی طاقتیں

ادبی اور سماجی راہ ہموار کر رہی تھیں۔ اس کے برخلاف برصغیر بالخصوص ہندوستان کی حالت عورتوں کی تعلیم اورحقوق کے لحاظ سے ناسازگار ہی نہیں بلکہ ناہموار بھی تھی۔

انیسویں صدی میں ہندوستان میں کئی اہم اصلاحی تحریکیں چلیں ان میں دو تحریکیں عورتوں کے تعلق سے نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ راجہ رام موہن رائے نے ''ستی پرتھا'' کے خلاف مہم چلائی اور ایشور چند ودیا ساگر نے ''پنر وِواہ'' یعنی بیوہ کی شادی پر زور دیا، گرچہ قدامت پرستوں کی جانب سے ان دونوں پیشواؤں کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے نتیجہ میں عورتوں میں اپنے حقوق کے تئیں بیداری کی لہر پیدا ہونے لگی۔ لیکن اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں ہندوستان کی عورتیں کثیر تعداد میں ذہنی اور جسمانی استحصال کی شکار تھیں۔ عورتوں کی اکثریت مذہب، رسم اور سماجی بندشوں میں اس قدر قید تھی کہ انہوں نے اپنے اوپر ہو رہے ظلم واستحصال کو قانون قدرت اور مرضی الٰہی تصور کر رکھا تھا۔ ظاہر ہے ان حالات میں عورتوں کا تعلیم حاصل کرنا نہایت دشوار تھا۔ معدودے چند مرد حضرات ایسے تھے جو عورتوں کی تعلیم کے لئے آگے بڑھے، البتہ دو ایک نسائی نام ہے جنہوں نے خود بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اورعورتوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا، ان میں ایک نام ڈاکٹر آنندی بائی کا ہے اور دوسرا نام راما بائی کا۔ ان دونوں خواتین کے کارنامے قابل ستائش ہیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں خواتین اسکول و کالج کی تعلیم یافتہ تھیں۔ لیکن ان حالات میں رشیدالنساء کا غیر اسکولی اور رسمی تعلیم ہونے کے باوجود خواتین کی اصلاح اور اس کی تعلیم وتربیت کے لئے ناول تخلیق کرنا اور تعلیم نسواں کے لئے زنانہ اسکول قائم کرنا بہت حوصلہ مندانہ اور جرأت مندانہ اقدام تھا۔

بعض ناقدین ومحققین کی رائے ہے کہ رشیدالنساء لیڈی سرسید ہیں، تو بعض کا یہ خیال ہے کہ مصنفہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کے زیر اثر ہیں۔ لیکن جب ہم عالمی پس منظر پر انیسویں صدی کی نسائی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو رشیدالنساء کا قد اور بھی بڑا ہو جاتا ہے کیونکہ انیسویں صدی میں جب ہم یورپ، نوآبادیات بشمول برصغیر میں نسائی ادبی وسماجی سرگرمیوں کو دیکھتے ہیں تو یورپ ونوآبادیات میں سینکڑوں نام مل جاتے ہیں لیکن برصغیر بالخصوص موجودہ ہندوستان میں بہ مشکل درجن بھر نام گنے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم مسلم خاتون شاعرات ومصنفات یا سماجی سرگرمیوں میں مشغول ومصروف خاتون کی تعداد دیکھتے ہیں تو صرف چند نام ہی سامنے آتے ہیں جیسے ماہ لقہ بائی، بیگم رقیہ، نواب فیض النساء، شاہ جہاں بیگم اور رشیدالنساء

کے علاوہ کوئی نام دکھائی نہیں دیتا ہے۔ ان میں ماہ لقہ بائی (پہلی خاتون صاحب دیوان شاعرہ) اور رشید النساء (پہلی خاتون ناول نگار) کو چھوڑ کر کوئی خاتون قلم کار ایسی نہیں ہیں جو کسی صنف میں خاتون اول کا درجہ رکھتی ہوں۔ ہم برصغیر کے پس منظر پر گفتگو کرنے سے پہلے یورپ، نوآبادیات میں انیسویں صدی کی نسائی سرگرمیوں کے تعلق سے سرسری جائزہ لیتے ہیں۔ تب ہم یہ طے کر پائیں گے کہ رشیدالنساء کا اصل مقام کیا ہے؟

انیسویں صدی میں یورپ ونوآبادیات میں کئی نسائی ادبی وسماجی سرگرمیاں مضبوطی کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جن میں کئی اہم نام ہیں جیسے میری وولوسٹون کرافٹ (Mary Wolastone craft) الی جابیتھ کیڈی اسٹینٹن (Alizabeth Stanten) ارتھر ہگس (Arthur Hughes) فرانسس پاور کوبے (Frances power cobbe) سارہ گرانڈ (Sarah Grand) ایلین سولیٹر (Elaine Showalter) اور مارگیٹ فلر (Marget Fuller) وغیرہ ہیں ان میں زیادہ تر ایسی مصنفہ وسماجی کارکن ہیں جنہوں نے باضابطہ بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کیں یا جن کی تربیت مخصوص ماحول میں ہوئی۔ ان میں میری وولوسٹون کرافٹ کی شخصیت سب سے نمایاں ہے۔ جن کی کارکردگی، سیاسی، سماجی اور تحریری میدان میں خاص اثر کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ برصغیر کو چھوڑ کر باقی ماندہ براعظموں میں تعلیم نسواں کا چلن عام تھا، لیکن جس طرح برصغیر میں خاص کر مسلم خاندانوں میں جو پابندیاں تھیں، تعلیم نسواں کے تعلق سے وہ کسی بیڑی سے کم نہ تھیں۔ اس کا اندازہ بخوبی اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب انیسویں صدی کے آٹھویں عشرہ کے قریب رشیدالنساء کی بیٹی نثار کبریٰ نے مثنوی کے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے جن کی عبدالغفور شہباز اور عظیم آباد کے بڑے شاعر شاد عظیم آبادی نے بھی کافی تعریف کی تھی۔ جب ہر کوئی ان کی شاعری کی تعریف کر رہا تھا تو ان کا بھائی غلام مولا غصے سے بھڑک گیا۔ اس نے رشید النساء سے مخاطب ہو کر کہا کہ لڑکیاں لکھ سکتی ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سودا بننے کی اجازت دی جائے۔ یہ ماجرا تو اس وقت کے اس اعلیٰ خاندان کا ہے جن کے افراد نے مغربی جامعات ودانش گاہوں سے تعلیم حاصل کی اور جس خانوادے کو اعلیٰ مرتبت نقاد اور بلند پایہ ادباء وشعراء کی نسبت حاصل ہے۔ اس کے برعکس یورپ ومغربی ممالک میں اسی صدی کے اوائل میں عورتیں نہ صرف لکھ پڑھ سکتی تھیں بلکہ انہوں نے کئی اہم قومی تحریکوں میں حصہ لیا اور عورتوں کے حقوق کے لیے آوازیں بلند کیں۔ کئی ایسے اہم نام بھی ہیں جنہوں

نے عورتوں کے حقوق کے لیے باغیانہ رویہ اختیار کیا۔

اس ضمن میں فرانسس پاور کوبے کی کتاب ''ویمن اینڈ مائنرس'' (1869) میری وولوسٹون کرافٹ کی کتاب ''عورتوں کے حقوق کا بدلہ'' (1792) اور مارگیٹ فولر (جن کی صحافتی کارگزاریاں ہیں) جیسے کئی اہم نام ہیں جنہوں نے عورتوں کے حقوق کے لیے باغیانہ رویہ اختیار کر کے حقوق نسواں کے لیے تنظیمیں قائم کیں۔ وولوسٹون کرافٹ نے تو باضابطہ طور پر تحریک اوقیانوس میں نسائی حقوق کی نہ صرف پیروکار تھیں بلکہ وومین سیل کی صدر تھیں۔ اس کے برخلاف ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم پر زور دینے کے لیے کسی خاتون کا نام تو چھوڑ دیجیئے بڑے ہندوستانی مرد کا نام بھی باضابطہ تحریری و عملی سرگرمیوں میں نظر نہیں آتا ہے۔ ہندوستان کا یہ وہ دور ہے جہاں مدرستہ العلوم علی گڑھ میں لورڈ میور کی تعلیم نسواں کی اہمیت پر پرزور تقریر کرنے کے باوجود بھی ہندوستانی سماج کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ تب انہوں نے ہندوستانی زبان میں عورتوں کی تعلیم کی ترغیب کے لیے لکھی گئی تحریر پر انعام سے نوازنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد کچھ مرد مصنفوں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی۔

رشید النساء کے علاوہ اگر اس عہد میں کوئی اور ہندوستانی خاتون کا نام اس امر کے ساتھ لیا جائے کہ وہ مصنفہ بھی ہو اور تعلیم نسواں کی پیروکار بھی ہو تو ان کے قریب تر کوئی نام نہیں ہے، کیوں کہ کچھ نام خالص سماجی سرگرمیوں میں آگے ہیں، تو کچھ نام تخلیقی سرگرمیوں میں، لیکن سماجی و تخلیقی سرگرمیوں میں یکساں دسترس و اوّلیت رشید النساء کو حاصل ہے۔ اس ضمن میں بنگالی مصنفہ و تعلیم نسواں کی علم بردار رشندری دیوی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کی تصنیف جو خود نوشت ہے تخیل کی سطح پر ''اصلاح النساء'' کے معیار کی نہیں ہے۔ باقی ماندہ نام جیسے ماہ لقا بائی صرف شاعرہ ہیں، نواب فیض النساء صرف تعلیم نسواں کے لیے متحرک ہیں، رقیہ تعلیم نسواں کے خواب بنتی ہیں، اس کے برعکس رشید النساء اپنے ان خیالات کو ناول کے پیرایے میں اتارتی ہیں جسے وہ عام شریف گھرانوں کے لیے لازم سمجھتی ہیں۔ تکنیکی اعتبار سے بھلے ہی اس ناول میں کچھ کمزوریاں ہیں، لیکن تخیل، فقرہ، گھریلو ضرب الامثال کے برمحل استعمال سے قاری کی دلچسپی کو نہ صرف بڑھایا ہے بلکہ وہ جن خیالوں کو سماج کے درمیان لانا چاہتی ہیں اس سے بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہا جاسکتا۔ رشید النساء کا ناول ''اصلاح النساء'' (1881) تخلیقی عمل پار کر لینے کے باوجود بھی سترہ سالوں کے بعد بغیر ان کے نام کے اشاعت پذیر ہوتا ہے۔ اور وہ تب ممکن ہوتا ہے جب ان کا لڑکا محمد سلیمان جو

ناول لکھے جانے کے وقت صرف گیارہ سال کا تھا، لندن سے مغربی تعلیم حاصل کر کے وطن لوٹتا ہے۔ رشید النساء کا اس اثنا میں تخلیقی عمل چاہے جس وجہ سے بھی ہو، رک گیا، لیکن تعلیم نسواں کو فروغ دینے کا جذبہ دن بہ دن بڑھتا ہی گیا جس کے نتیجہ میں نسائی تعلیم کی غرض سے پٹنہ میں مدرستہ العلوم کا قیام عمل میں آیا جو مدرسہ آج بتیا ہاؤس کے نام سے معروف ہے۔

ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس صدی میں رشید النساء کی ہم پلہ معدودے چند ہندوستانی خواتین نظر آتی ہیں۔ ہاں اگر ہم عالمی سطح پر رشید النساء کا موازنہ کسی خاتون سے کر سکتے ہیں تو وہ وولوسٹون کرافٹ ہیں (اپریل 1759۔ دسمبر 1797) جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں عالمی سطح پر حقوق نسواں کی سب سے بڑی علم بردار تھیں۔ میری وولوسٹون کرافٹ کی بھی کوئی باضابطہ اسکولی تعلیم نہ تھی اور وہ اپنے والد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پا کر اور حقوق نسواں کا علم لیے اوقیانوسی تحریک کی وومین سیل کی صدر بنیں۔ ان کے نزدیک زندگی گزر بسر کرنے کے لیے تعلیم و تربیت کی جتنی ضرورت مردوں کو ہے اسی قدر عورتوں کو بھی ہے۔ رشید النساء کا بھی یہی نظریہ ہے کہ ایک بہتر خاندانی زندگی بسر کرنے کے لئے عورتوں کو تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونا ازبس ضروری ہے۔ پوری دنیا میں جس طرح سے میری وولوسٹون کرافٹ نسائیت کی موئسسہ سمجھی جاتی ہیں اسی طریقے سے رشید النساء عورتوں کی تعلیم کے لیے اسکول کی پہلی بانیہ ہے۔ میری وولوسٹون کرافٹ نے بھی عورتوں کے بے جا رسم و رواج پر روشنی ڈالی ہے، رشید النساء نے بھی اس امر کو ترجیح دی ہے۔ دونوں نے ہی اس کی وجہ عورتوں میں پائی جانے والی جہالت کو بتایا ہے۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ خیال کہ رشید النساء سرسید تحریک یا ڈپٹی نذیر احمد کے خیالوں کی پیداوار ہیں تو یہ پورا انصاف نہیں ہوگا۔

1891ء میں بیرسٹر بیٹے محمد سلیمان اور عزیز و اقارب کی مغربی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد رشید النساء کو اپنے خیالات کو جلا بخشنے میں مزید تقویت ملی کیوں کہ اب یہ حضرات مغربی تعلیم حاصل کر چکے تھے اور ان کی سوچ روشن خیالی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس لیے تعلیم نسواں کو فروغ دینے میں ان حضرات نے رشید النساء کا شانہ بہ شانہ ساتھ دیا۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ انیسویں صدی کے یوروپین فلسفی جے۔ ایس ملی کا فلسفہ Thought of liberty عالمی سطح پر بہت مقبول ہو چکا تھا اور ہر کس و ناکس پر اپنا گہرا اثر چسپاں کر چکا تھا۔ تقریباً تمام بڑی عالمی جامعات میں جے۔ ایس مل شامل نصاب تھے۔ تاریخ و سماجی سرگرمی سے دلچسپی رکھنے والے بالخصوص وہ حضرات جنہوں نے نسائیت کا مطالعہ کیا ہے انہیں

بخوبی پتہ ہوگا کہ J.S.Mil کا فلسفہ Thought of liberty کس قدر نسائی قوتوں کوفروغ دینے میں اثر انداز ہوا ہے۔

بہر کیف رشید النساء کو عالمی سطح پر رونما ہونے والے تمام واقعات نے بھی متاثر کیا ہوگا۔ یہ دلیل اس لیے دی جارہی ہے کہ ''اصلاح النساء'' کا تخلیقی عمل مکمل ہو جانے کے بعد بھی اشاعت کے مرحلے کے لئے تیرہ سالوں کا وقت لگا۔لیکن جیسے ہی ہندوستانی نو جوانوں کی مغربی تعلیم سے آشنائی ہوئی اور اس ضمن میں رشید النساء کے اپنے صاحبزادے محمد سلیمان وعزیز و اقارب مغربی تعلیم لے کر ہندوستان واپس آئے تو رشید النساء کی تعلیم نسواں کو فروغ دینے کی سرگرمی میں بے پناہ اضافہ ہوا، نتیجتاً تعلیم نسواں کے اسکول کا قیام عمل میں آیا۔

اردو ناول کی مختصر تاریخ

ناول اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل NOVELLA ہے، ناول کی تعریف مختلف ادیبوں نے مختلف انداز سے کی ہے۔ رابنسن جو عام طور پر ناول نگاری کا بانی سمجھا جاتا ہے، اس نے اس فن کی بنیاد رکھتے ہوئے دو چیزوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ پہلی تو بات یہ ہے کہ ناول نگار کو حقیقت نگاری کرنی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ کسی بھی ناول کے ذریعہ کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق دینا مقصود ہو۔ ناول نگاری کے بنیادی عناصر پر اگر غور کریں تو یہی دو باتیں ناول کو دوسرے اصناف سے ممتاز کرتی ہے۔ گویا ناول کی تعریف یوں کر سکتے ہیں۔

کسی بھی حقیقی واقعہ کو اس انداز میں پیش کرنا کہ قاری کے ذہنی اسکرین پر وہ تاریخ کردار کی شکل میں چلتی پھرتی نظر آئے، اور پڑھنے والے کو اس سے کوئی نہ کوئی سبق حاصل ہو۔ انگلینڈ کی مشہور مصنفہ کلارا ریوز نے ناول کی جامع تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ناول اس زمانہ کی زندگی اور معاشرت کی سچی تصویر ہے جس زمانے میں وہ لکھا جائے۔ جبکہ بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ ناول نثر میں ایک طربیہ کہانی ہے۔ یعنی حادثاتی اور المیہ کہانیاں ناول کی تعریف سے باہر ہے۔ لیکن رچرڈسن نے اس نقطہ نظر کو سرے سے مسترد کر دیا ہے۔ ان کے خیال میں ناول ایک پھیلی ہوئی بڑی تصویر ہے، جس میں ایک مقررہ پلاٹ کو واضح کرنے کے لئے زندگی کے کردار مختلف جماعتوں کے ساتھ رکھ کر مختلف پہلوؤں سے دکھائے جاتے ہیں۔

مشہور ناول نگار پروفیسر بیکر نے ناول نگاری کے لئے چار شرطیں لازمی قرار دیں ہیں۔ ایک قصہ ہو، نثر میں ہو، زندگی کی تصویر ہو، اس میں رابطہ اور یک رنگی ہو، یعنی یہ قصہ صرف نثر میں لکھا نہیں گیا ہو بلکہ حقیقت پر مبنی ہو اور خاص مقصد یا نقطہ نظر کو بھی پیش کرتا ہو۔

یہ مختلف تعریفیں متعدد ادیبوں سے منقول ہیں، اور ایک دوسرے سے جداگانہ ضرور ہیں، لیکن ایک دوسرے سے قریب بھی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ناول وہ صنف نثر ہے جس میں حقیقی زندگی کے مختلف کیفیات

وجذبات کوکبھی اسرار کے قالب میں،کبھی تاریخ کے آئینے میں،کبھی رزم کے انداز میں تو کبھی سیاست یانفسیات کے لبادے میں سجا کر پیش کیا جاتا ہے۔لیکن ان تمام شکلوں میں جو چیز مشترک ہوتی ہے وہ قصہ، پلاٹ، کردار،مکالمہ،مناظر فطرت کی عکاسی،نظریہ حیات اوراسلوب بیان خاص اہمیت رکھتی ہے۔

قصہ گوئی اور کہانی کی تاریخ انسانی تاریخ کی طرح ہی بہت قدیم اور پرانی ہے۔اگر انسانیت کا آغاز حضرت آدم سے ہوتا ہے تو کہانی کی ابتدا بھی وہیں سے ہوتی ہے۔اپنی موجودہ شکل میں کہانی یا ناول گوکہ مغرب کی دین ہے لیکن قصہ گوئی اور تاریخی واقعات وحادثات کو پیش کرنا انسانی فطرت کا خاصہ رہا ہے۔انسان نے ہر دور میں ماضی کے واقعات کو کبھی قصہ کہانیوں کی شکل میں،کبھی شاعری کی شکل میں پیش کیا ہے۔انسانوں کے شعور نے جیسے جیسے ترقی کی ادب کی مختلف صنفیں وجود میں آتی گئیں۔ایک زمانہ تھا جب انسان اپنا دردِ دل سنانے کے لیے صرف زبان کا ہی سہارا لیتا تھا۔اسے لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا،اور حالات واقعات نیز قوموں کی تاریخیں سننا یا سنانا ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوا کرتا تھا۔پھر شعور نے کروٹ لی اور آدمی نے قلم وقرطاس سنبھالا تو وہیں تاریخی واقعات کاغذ کے اوراق پر اگلی نسلوں کیلئے محفوظ کر دیے گئے۔شعور وآگہی،فکر ونظر نے کچھ منزلیں طے کیں،تو صنف ادب کے نت نئے گوشے وجود میں آئے۔

داستان گوئی یا کہانیاں بالفاظ دیگر ناول نگاری کا انسانی زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔جہاں انسان ہوگا وہاں کہانیاں وجود میں آئیں گی،کوئی اسے سنائے گا،کوئی اسے لکھے گا،پھر یہی کہانیاں کبھی قصہ،کبھی شاعری اور کبھی ناول کی شکل میں ماضی کی عظمت رفتہ کی داستان سناتی ہیں۔داستان انسانی زندگی کا وہ کارنامہ ہے جس میں انسان اپنی ہی زندگی کومثالی کردار میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ موجودہ نسلیں ماضی کی وادیوں میں سیر کرنے لگتی ہیں۔ان کہانیوں میں مصنف کبھی تخئیلی تصور،کبھی مافوق الفطرت داستان،تو کبھی رومانی عناصر کو پیش کرتا ہے۔اختصار کے ساتھ اگر یہ داستان سرائی ہو تو کہانی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ یہی بات کرداروں کے ذریعہ پیش کی جائے تو ناول ہے۔

اردو ادب میں باقاعدہ داستانوں کا آغاز اٹھارہویں صدی کے آخر سے ہوتا ہے۔تحسین کی ''نوطرز مرصع'' غالباً اردو ادب کی پہلی داستان ہے۔انیسویں صدی میں تحسین کی ''نوطرز مرصع''،''باغ وبہار'' اورانشاء اللہ خاں کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' کوچھوڑ کر میرامن کی باغ وبہار،حیدربخش حیدری کی ''آرائش محفل''،''طوطا کہانی''،خلیل علی خاں اشک کی ''داستان امیر حمزہ''،بہادرعلی حسینی کی ''نثر بے نظیر''،مظہر علی ولا

اورللولال کی ''بیتال پچیسی''،کاظم علی جواں اورللولال کی ''سنگھاسن بتیسی'' جیسی داستان فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوئیں۔اس کے بعد محمد بخش مہجوری کی ''نورتن''،مرزا رجب علی بیگ سرور کی ''فسانہ عجائب''،نیم چند کھتری کی ''گل صنوبر''،الف لیلہ،''بوستان خیال''،طلسم ہوش ربا،''سخن دہلوی کی ''شروش سخن''،شیون کی ''طلسم حیرت''،اور''الف لیلہ'' جیسی چھوٹی بڑی اور درمیانی داستانیں مخطوطہ یا مطبوعہ انیسوی صدی کی آخری دور میں ملتی ہیں۔لیکن یہ داستانیں انسانی زندگی کے فلسفے کو بیان نہیں کرتی تھیں،بلکہ یہ کہانیاں اور داستانیں محض دل لگی کیلئے اوراصلاح کے غرض سے لکھی جاتی تھیں۔ان داستانوں کی ضخامت کا انحصار داستانوں گویوں کے ذوق پر منحصر تھا،وہ لوگوں کے فرصت کے مدنظر داستانیں لکھتے تھے۔

انقلابات زمانہ نے انسانی زندگی کے معیار اور طرز زندگی کو بدل دیا ہے،وہیں صنعتی انقلاب کا گہرا اثر ادب پر بھی پڑا۔حالات نے کروٹ لی تو طرز زندگی میں بدلاؤ آیا،قدیم روایات چھوٹتی گئیں اور نئے اقدار بنائے جانے لگے،قدیم رسم ورواج سے انحراف ہوا،اورمغربی طرز زندگی ہمارے گھروں میں اتر آئی۔ادب کیلئے بھی فضاء سازگار ہوئی تو جدید تقاضوں نے قدیم عمارتوں کو مسمار کر دیا۔ داستان گوئی کا طرز بھی بدلا اوراس کے زیر اثر افسانوی ادب میں اصلاحی ناولوں کا اضافہ ہوا۔

جب ہم اردو ناولوں کے ابتدائی سفر کا جائزہ لیتے ہیں تو ہماری نظر نذیر احمد کے ناولوں پر ٹھہر جاتی ہے۔انہوں نے اپنے ناولوں میں بچوں اور خواتین کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے۔خواتین کی تعلیم کے ذریعہ مسلم سماج میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی ہے،یہ الگ بات ہے کہ بعض نقادوں نے ان کے ناولوں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کے ناولوں کو ناول کے زمرہ سے خارج کر دیا۔لیکن اس سچائی سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نذیر احمد نے اردو ناول نگاری کی خشت اوّل رکھی،جس پر اردو ناول نگاری کی پوری عمارت کھڑی کی گئی۔نذیر احمد کے ناول کو اس لئے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ ان کے ناولوں میں صرف اصلاح اور تبلیغ پر توجہ دی گئی۔ان کی باتوں کو پند ونصیحت کا رنگ کہا گیا ہے۔یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے کہ انہوں نے ناولیں اپنی لڑکیوں کی اصلاح کی غرض سے لکھے تھے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے ناولوں کے کردار میں عام انسانی زندگی کی ٹھوس حقیقت نمایاں ہے اورانہوں نے انسانی زندگی کے مختلف کرداروں کو نئے اسلوب میں پیش کیا ہے۔انہوں نے ناول نگاری کے ذریعہ جدید اسلوب اورفن کی نئی روش قائم کی۔یہ اور بات ہے کہ ناول نگاری کے جو پیمانے مغرب میں طے کئے گئے ہیں،نذیر احمد کے ناول اس پر کھڑے نہیں اترتے ہیں،لیکن انہوں نے اردو ناول نگاری کی بنیاد ڈالی۔مراۃ العروس،بنات النعش،

فسانہ مبتلا، توبۃ النصوح اور ابن الوقت وغیرہ اردو ناول نگاری کے خشتِ اوّل ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد نے سب سے پہلے 1869ء میں اپنا پہلا ناول ''مراۃ العروس'' لکھا، اس کے بعد انہوں نے دوسرا ناول لکھا، لیکن ان کی ناول نگاری کا مقصد معاشرے کی اصلاح رہا ہے۔ جس میں ان کی تبلیغی فطرت کو دخل رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ زندگی سے فن کا رشتہ وسیع ہوتا گیا، زندگی نے انگڑائیاں لیں، تو فن نے بھی کروٹ بدلی، خود نذیر احمد کے یہاں بھی فنی رعایتیں نمایاں ہونے لگیں۔ چنانچہ ''فسانہ مبتلا'' میں نذیر احمد ایک واعظ کے ساتھ ساتھ فنکار بھی نظر آنے لگے۔

نذیر احمد کے ہم عصر سرشار کو اردو کے دوسرے ناول نگار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کے ناول لکھنؤ کی تہذیبی روایتوں کی داستان سرائی ہے۔ انہوں نے لکھنوی طرز زندگی کی اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ انسانی زندگی چلتی پھرتی نظر آتی ہے، زندگی کی وسعتیں اور گہرائیاں ان کے ناولوں میں سمٹ کر جمع ہوگئی ہیں۔ اردو ناول کے اس ابتدائی دور میں انہوں نے ناول کو ایک ایسی روایت سے روشناس کرایا جو فنی لوازمات سے پر ہیں، انہوں نے لکھنوی معاشرت کو اپنا موضوع بنا کر وہاں کی اجتماعی زندگی کی اس طرح عکاسی کی ہے کہ سارے کردار ذہنی اسکرین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ''فسانہ آزاد'' لکھنوی طرز معاشرت کی منھ بولتی تصویر ہے۔

زمانہ تھوڑا آگے بڑھا تو شرر نے اردو میں تاریخی ناول لکھ کر ایک نئی روش کی بنا ڈالی۔ شرر کے یہاں ناول آکر مسلمان ہوگیا۔ انہوں نے اپنے نالوں میں اسلامی تاریخ کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ پردہ سیمیں پر یہ کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

ابھی اردو ناول نگاری نے رینگنا ہی شروع کیا تھا کہ ایک خاتون ناول نگار کی آہٹ دبستان عظیم آباد سے سنائی دینے لگی۔ ناول نگاری کا فن ابھی ابتدائی دور میں تھا، مردوں کی ہمت بھی اس صنف کو ہاتھ لگانے سے کانپ رہی تھی، مصنفین اور ادباء شاعری کی فضاء میں اپنی عظمتوں کے پھریرے لہرانے میں مست تھے کہ رشید النساء کا غلغلہ بلند ہوا۔

اصلاح النساء کا سرسری جائزہ

رشید النساء نے اپنا ناول ''اصلاح النساء'' چھ مہینے کی مدت میں 1881ء میں مکمل کیا۔ لیکن اس کی اشاعت ناول لکھنے کے تیرہ برسوں کے بعد 1894ء میں ہوئی، جب ان کا بیٹا ولایت سے قانون کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آیا۔ ناول جب زیر تحریر تھا اس وقت ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ یہ لندن سے بیرسٹر ہو کر آئے تو انہوں نے والدہ محترمہ سے اس کتاب کے بارے میں دریافت کیا جو وہ لکھ رہی تھیں، انہوں نے کتاب کا مسودہ نکال کر پیش کر دیا۔ جب بیٹے نے اس ناول کو پڑھا تو افسوس کا اظہار کیا کہ اتنی عمدہ اور اچھی کتاب اب تک یوں ہی پڑی رہی۔ پھر انہوں نے اس کو چھپوانے کا انتظام کیا۔ اس طرح یہ ناول پہلی بار 1894ء میں منظر عام پر آیا۔ مصنفہ خود تحریر کرتی ہیں:

''محمد سلیمان سلمہ الرحمٰن کے عمدہ تعلیم پانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ تیرہ برس سے یہ کتاب جوردی میں پڑی تھی، اس کو انہوں نے چھپوایا۔ اللہ تعالیٰ برخوردار موصوف کی ہر طرح کی ترقی فرمائے۔''(۱۰)

''اصلاح النساء'' کی اشاعت پہلی بار 1894ء میں ہوئی، یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں موجود ہے۔ دونوں جلد ایک ساتھ ہے، پہلی جلد 276 صفحات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد 48 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نسخہ کے جلد دوم کے سرورق پر مصنفہ کا نام اس طرح لکھا ہوا ہے۔ ازتصنیفات تاج النساء وفخر النساء والدہ مسٹر محمد سلیمان سلمہ الرحمٰن بیرسٹر ایٹ لا و بنت شمس العلماء مولوی سید وحید الدین خاں بہادر مرحوم ومغفور وہمشیرہ شمس العلماء مولوی سید امداد امام صاحب وآنریبل مولوی سید فضل امام خاں بہادر مرحوم حسب فرمائش جناب ماسٹر محمد سلیمان صاحب بیرسٹر ایٹ لا فرزند باوقار مصنفہ۔ اس کی طباعت فیض احمد پریس لکھنؤ میں ہوئی ہے۔

1968 میں اس کا دوسرا ایڈیشن پاکستان میں بیگم ثریا قرنی کی کاوشوں سے شائع ہوا۔ ناشر کی حیثیت سے بیگم ثریا قرنی، مطبوعہ فیروز سنز لیمیٹڈ، لاہور اور بہ اہتمام عبدالحمید خاں درج ہے۔ اس کا دیباچہ بھی بیگم

ثریا قرنی کے قلم سے ہے۔ وہ دیباچہ دوم میں تحریر کرتی ہیں:

> ''کتاب عرصہ سے نایاب تھی۔ چنانچہ راقم الحروف کی خواہش تھی کہ اس کی اشاعت کا نئے سرے سے اہتمام ہو۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ایسی کتابیں پاکستان کی موجودہ پود کے لیے ضروری ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ تصنیف مدت سے پردہ گمنامی میں تھی اور ایک کتاب کی حیثیت سے اسے ادبی دنیا میں وہ اہمیت حاصل نہ ہوئی جس کی وہ مستحق تھی۔ اسلاف کا اخلاف پر جو احسان ہے یہ اس کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ بڑی کاوش اور عرق ریزی کے بعد یہ نسخہ حاصل ہوا ہے۔ جس سے یہ کتاب دوبارہ شائع کی جاری ہے۔ کتاب کی مصنفہ بہار کے مشہور و معروف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔''(۱۱)

دوسرے ایڈیشن کا حصہ اوّل 224 صفحات پر اور حصہ دوم 54 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ خدا بخش لائبریری اور گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

''اصلاح النساء'' کا تیسرا ایڈیشن 2000 میں پاکستان ہی میں شائع ہوا ہے۔ پیش کنندہ کی حیثیت سے سید قیصر امام اور زیر اہتمام روشن خیال کا نام درج ہے۔ اس کی طباعت احمد برادر، کراچی میں ہوئی ہے۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر مصنفہ کا نام رشید النساء درج ہے، یہ پہلا ایڈیشن ہے جس پر مصنفہ کا اپنا نام درج ہے۔ اس کا دیباچہ سید قیصر امام نے لکھا ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''اس کتاب کی گذشتہ اشاعتوں تک مصنفہ کا نام ''والدہ محمد سلیمان'' لکھا جاتا رہا ہے۔ اس بات سے ایک اندازہ تو یہ ہوتا ہے کہ مصنفہ کو اپنی ذاتی شہرت سے غرض نہیں تھی۔ بلکہ تصنیف کے مقصد کا حصول ہی اوّل و آخر تھا۔ اس بات سے دوسرا اشارہ اس وقت کی تہذیب کے اس پہلو کی طرف بھی ہوتا ہے کہ شریف زادیوں کے نام بھی پردے میں رہتے تھے۔ عربوں میں اب تک خواتین کے احترام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بڑے لڑکے کی ام کہی جائیں۔ اصلاح النساء کی مصنفہ ام محمد سلیمان کا نام ''سیدہ رشید النساء'' تھا۔ وہ ایک نہایت معزز گھرانے کی پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں تعلیم نسواں معیوب بات تھی۔ موصوفہ کو اپنے زمانے کی عورتوں کے

> مسائل اور ان کے اسباب سے آگاہی تھی اور اس کی اصلاح کا جذبہ بھی تھا۔ جس کا نتیجہ یہ کتاب اور عورتوں کی تعلیم کی سعی میں اپنی نگرانی میں قائم کردہ مدرسہ تھا۔''(۱۲)

''اصلاح النساء'' کا یہ نسخہ کل 224 صفحات پر مشتمل ہے۔ ناول کا پہلا حصہ صفحہ نمبر 28 سے شروع ہوتا ہے اور 184 پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ 185 سے شروع ہوتا ہے اور 221 پر ختم ہوتا ہے۔ صفحہ نمبر 222 تا 224 بیان اصطلاحات ہے۔ اس نسخہ میں پاکستان کے دو قلمکاروں کا مضمون شامل ہے۔ ایک ادیب سہیل کا مضمون بعنوان ''اردو کی پہلی خاتون ناول نگار رشید النساء'' اور دوسرا زاہدہ حنا کا مضمون ''رشندری رشیدہ اور رقیبہ کا خواب''۔ اس کتاب کی پشت پر مصنفہ کی تصویر بھی شائع کی گئی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ رشید النساء اور ان کا ناول ''اصلاح النساء'' پاکستان میں بھی بے حد مقبول ہے۔ اس کی اشاعت کا جو اہتمام پاکستان میں ہوا وہ یہاں نہیں ہوسکا۔ ادیب سہیل اور زاہدہ حنا کے مضمون کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کی موجودہ نسل کی نظر میں بھی رشید النساء اور ان کے ناول کی قدر و قیمت بے حد اہم ہے۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ اس دوران اس ناول کا کوئی ایڈیشن پٹنہ یا بہار سے شائع نہیں ہوا۔ خدا بھلا کرے خدا بخش لائبریری کے سابق ڈائرکٹر جناب امتیاز احمد کا کہ انہوں نے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے 2007 میں اس کا دوسرا ایڈیشن خوبصورت اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کروایا ہے۔

اردو ناول نگاری کا آغاز انیسویں صدی کے آواخر میں ہوا۔ ڈپٹی نذیر احمد اس کڑی کے اوّلین ناول نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں ادبی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اصلاحی پہلو بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنا پہلا ناول ''مرأۃ العروس'' 1869 میں لکھا۔ اس کے بعد دوسرا ناول ''بنات النعش'' 1871ء میں رقم کیا۔ یہ دونوں ناول انہوں نے اپنی بیٹیوں کی اصلاح کے غرض سے لکھے۔ ان کا موضوع لڑکیوں کی تربیت ہے۔ اس میں اکبری اور اصغری دو بہنوں کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اکبری بڑی بہن ہے لیکن لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا ہے، وہ بدسلیقہ، پھوہڑ اور ضدی لڑکی ہے۔ اس کی شادی عاقل نامی ایک لڑکے سے ہو جاتی ہے لیکن وہ اپنی بری عادتوں سے باز نہیں آتی ہے۔ اپنی بری عادت و خصلت کی بنا پر اپنے گھر کو جہنم بنا لیتی ہے۔ سسرال میں ہر ایک اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کے برعکس چھوٹی بہن اصغری نیک، شریف اور سلیقہ مند ہے، عاقل کے چھوٹے بھائی عامل سے اس کی شادی ہو جاتی ہے۔ وہ

اپنے اچھے اخلاق وعادات سے پورے گھر کے لوگوں کی محبوب نظر بن جاتی ہے۔سلیقہ مندی اور نیک مزاجی سے گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔اس کہانی کے ذریعہ ناول نگار یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ لڑکیوں کی اچھی تعلیم و تربیت بے حد ضروری ہے۔جن بچیوں کو معقول تربیت وتعلیم دی جاتی ہے وہ کامیاب زندگی گذارتی ہیں اور جو تعلیم وتربیت سے محروم رہ جاتی ہیں وہ گھر کو جہنم بنا دیتی ہیں۔

''بنات النعش'' کا موضوع خانہ داری کی تربیت اور اخلاقی تعلیم ہے۔اس کا مرکزی کردار حسن آرا ہے جو اصغری کے قائم کردہ اسکول میں تعلیم حاصل کر کامیاب زندگی گذارتی ہے۔''بنات النعش'' دراصل ''مرأۃ العروس'' کا دوسرا حصہ ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کے ناول بہت مقبول ہوئے خاص طور پر طبقہ نسواں میں اس کو بڑی مقبولیت ملی باوجود اس کے کہ ان کے ناولوں کا رجحان اصلاح پسندانہ رہا ہے۔لیکن انہوں نے اپنے ناولوں کی بنیاد سچی اور حقیقی زندگی پر رکھی۔

نذیر احمد کے اصلاحی ناولوں کے بعد خواتین میں بھی لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، حالانکہ اس عہد میں خواتین میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا، سماج فرسودہ خیالات اور غلط رسم ورواج کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔عورتوں کا پڑھنا اور لکھنا جرم سمجھا جاتا تھا۔اس زمانہ میں خواتین اپنی تخلیقات فرضی ناموں سے لکھا کرتی تھیں۔

اسی عہد میں بہار میں بھی ناول نگاری کا آغاز ہوا۔شاد عظیم آبادی کا ناول ''صورۃ الخیال'' اسی زمانے میں لکھا گیا۔اس وقت جب عورتوں کا پڑھنا لکھنا معیوب تھا، بہار کی ایک خاتون نے ناول نگاری کی جانب توجہ دی اور ''اصلاح النساء'' جیسا دلچسپ ناول وجود پذیر ہوا۔رشید النساء نے ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی ناول ''مراۃ العروس اور'' بنات النعش'' سے متاثر ہو کر یہ ناول سپرد قلم کیا۔مصنفہ خود لکھتی ہیں:

''اللہ مولوی نذیر احمد صاحب کو عاقبت میں بڑا انعام دے، ان کی کتاب پڑھنے سے عورتوں کو بڑا فائدہ پہونچا۔ جہاں تک ان کو معلوم تھا، انہوں نے لکھا اور اب جو ہم جانتے ہیں اس کو انشاء اللہ تعالیٰ لکھیں گے۔جب اس کتاب کو لڑکیاں پڑھیں گی تو مجھے خدا سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب اصغری ہو جائیں گی۔شاید سو میں سے ایک اپنی بدقسمتی سے اکبری رہ جائے تو رہ جائے۔میرے لکھنے میں عمدہ بات یہ ہوگی کہ اس کتاب کے پڑھنے سے عورتوں پر اثر زیادہ ہوگا۔اور وہ سمجھیں گی کہ اس نے عورتوں کی رسموں کو جہاں تک لکھا ہے آنکھ دیکھی بات لکھی ہے۔اور جب لڑکیاں شائستہ اور تعلیم یافتہ ہو

جائیں گی تو لڑکوں کا تعلیم پانا کچھ مشکل نہ ہوگا۔''(۱۳)

''اصلاح النساء'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اصلاحی ناول ہے۔خواتین میں تعلیم کی کمی، ضعیف الاعتقادی، توہم پرستی، رسم و رواج کی جکڑ بندی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔مصنفہ کے پیش نظر عورتوں کی اصلاح، لڑکیوں کی تعلیم اور رسم ورواج کی خامیوں کو دور کرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے وعظ ونصیحت کا انداز اختیار کرنے کے بجائے قصہ اور کہانی کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔مصنفہ اس تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوئے ناول کے دیباچہ میں تحریر کرتی ہیں:

''ان کے کہنے سے مجھ کو بھی خیال ہوا کہ ایک کتاب ایسی لکھیں جن میں ان رسموں کا بیان ہو جن کے باعث صدہا گھر تباہ ہو گئے۔اور جو باعث فضول خرچ اور فساد کے ہیں۔مگر مجھے یہ خیال بھی ہوا کہ ان باتوں کو نصیحت کے طور پر لکھنا میری حیثیت پر زیبا نہیں ہے۔بلکہ ان باتوں کو قصہ کے پیرایہ میں لکھنا ہر طرح مناسب ہوگا، یہ سوچ کر میں نے ان ہی کاموں اور جھگڑوں کو جو روزانہ ہر وقت ہر شریف خاندان میں ہوتے ہیں، فرضی نام رکھ کر لکھنا شروع کیا۔(۱۴)

رشید النساء کے عہد میں عورتوں کو وہ مقام نہیں ملا تھا جس کی وہ حقدار تھیں۔یعنی وہ صرف گھر کی چہار دیواری کے اندر مقید تھیں، باہر کی دنیا سے بالکل نابلد، ناآشنا اور زیور تعلیم وتربیت سے محروم تھیں۔ایسے حالات میں رشید النساء نے جرأت کی اور اصلاحی ناول لکھ کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ناول کے دیباچہ میں اپنا نام تحریر کرنے کے بجائے والدہ محمد سلیمان سلمہ الرحمٰن (بیرسٹرایٹ لا) بنت شمس العلماء سید وحیدالدین خاں بہادر (مرحوم ومغفور) ہمشیرہ شمس العلما مولوی سید امداد امام صاحب لکھا ہے۔

رشید النساء کا عہد وہ تھا جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔انگریزوں کا دور دورہ تھا، مسلمانوں کی شان وشوکت اور حکومت وقوت ختم ہو چکی تھی۔نئی حکومت کے زیر سایہ نئی تہذیب وثقافت اپنا پیر پسار رہی تھی۔انگریز اپنے افکار ونظریات کی تبلیغ وتوسیع کے لئے کام کر رہے تھے۔اس وقت ہندوستان کے سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی حالات ابتر ہو گئے تھے۔سرسید احمد خاں نے 1857 کی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔وہ ملک میں مسلمانوں کی نازک صورت حال سے بہت کبیدہ خاطر تھے۔انہوں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو جدوجہد کی، اس

کے اثرات آج بھی محسوس کئے جا رہے ہیں۔ سائنٹفک سوسائٹی اور علی گڑھ تحریک کا قیام اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ سرسید کی تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی حالات کو سدھارنے اور بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس تحریک نے شعروادب پر بھی گہرے نقوش مرتب کئے ہیں۔ خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمانوں کی گذشتہ ڈیڑھ سو سال کی فکری، علمی، سماجی، مذہبی، سیاسی اور ادبی تاریخ کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر سرسید اور علی گڑھ نے بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنے اثرات نہ چھوڑے ہوں۔ سرسید اور ان کے رفقا کے لئے مدرستہ العلوم ایک تعلیمی درس گاہ، نئے فکری رجحانات کی ایک علامت، احیائے ملی کی ایک تحریک کا نام تھا۔ یہاں آدم گری بھی ہوتی تھی اور تعمیر ملت کا سامان بھی مہیا کیا جاتا تھا، یہاں وقت کے اشاروں کو بھی سمجھنا سکھایا جاتا تھا۔ اور اس کے دھاروں کو موڑنے کی صلاحیت بھی پیدا کی جاتی تھی۔ سرسید کی بلند حوصلگی، عزم راسخ، خلوص نیت اور جہد مسلسل نے اس مشکل اور متنوع کام کو ایک تحریک کی شکل دے دی تھی۔ زمانے کے پیچ وخم کے ساتھ تحریک کے خدوخال بھی بدلتے رہے، لیکن سرسید کے افکار کی معنویت ہر دور کے لئے بڑھتی رہی۔ اور ان کی آواز برابر فضاؤں میں گونجتی رہی:

سنگ تربت ہے مرا گرویدہ تقریر دیکھ
چشم باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ (۱۵)

سرسید احمد خاں کی حیثیت ایک مصلح قوم کی تھی۔ انہوں نے نئے حالات میں مسلمانوں کے متعلق سوچا، غور وفکر کیا اور اس سمت میں عملی کوششیں کیں۔ ان کی اصلاحی وادبی تحریک سے حالات میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ مسلمانوں میں جدید تعلیم کا رجحان بڑھنے لگا۔ اس تحریک کا اثر تھا کہ ڈپٹی نذیر احمد اور دوسرے اہل قلم حضرات نے اصلاحی مضامین اور کتابیں تحریر کیں۔ بیگم ثریا قرنی لکھتی ہیں:

''سرسید کی اصلاحی تحریک سے متاثر ہوکر جہاں دلی میں ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ راشد الخیری نے مسلمان عورتوں کی جہالت، توہم پرستی اور شادی بیاہ کی تباہ کن رسموں کے خلاف قلمی جہاد کا آغاز کیا، وہاں بہار کے شہر پٹنہ میں ایک خاتون نے ایسی کتاب

شائع کی جو ''مراۃ العروس'' اور ''توبتہ النصوح'' کی طرح دوامی افادیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کا نام اصلاح النساء ہے۔ یہ جناب محمد سلیمان بیرسٹرایٹ لا کی والدہ محترمہ رشید النساء کی تخلیق ہے، جو پہلی بار 1894 میں شائع ہوئی۔'' (۱۶)

اس عہد میں جب مسلم معاشرہ میں عورتوں کا لکھنا اور پڑھنا بہت مشکل تھا۔ وہ گھر کی چہار دیواری کے اندر قید تھیں۔ رشیدۃ النساء نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ سماجی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ غلط رسم ورواج کے خلاف، جہالت وبدعت کے خلاف، ناخواندگی اور پسماندگی کے خلاف آواز بلند کی اور عورتوں کی تعلیم کے لئے، لڑکیوں کی تربیت کے لئے، سماج کی اصلاح کے لئے ''اصلاح النساء'' جیسا ناول تخلیق کیا۔ جس میں عورتوں کی جہالت وبدعت اور اس کے نتائج بد کا ذکر کیا اور عورتوں کی تعلیم اور معاشرہ کی اصلاح پر زور دیا ہے۔

رشید النساء روشن خیال، وسیع النظر اور ترقی پسند خاتون تھیں۔ ان کے دل کے اندر ایک جذبہ تھا۔ خواہش تھی، تڑپ تھی۔ وہ صنف نازک کو تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ سماج ومعاشرت میں پھیلی برائیوں اور خرابیوں پر غور کرتی تھیں۔ اس کے اسباب اور علاج کے بارے میں تفکر کرتی تھیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ سماج میں پھیلی گمراہی، بے دینی اور توہم پرستی کی بنیادی وجہ تعلیم کا فقدان ہے۔ جہالت کے خاتمہ کے لئے، عقائد کے فساد وبگاڑ کو دور کرنے کے لئے، خرافات اور واہیات سے دامن بچانے کے لئے، شروفساد کی بیخ کنی کے لئے، معاشرہ کو پرامن اور خوشگوار بنانے کے لئے، باعزت اور باوقار زندگی گذارنے کے لئے، سب سے اہم چیز تعلیم وتربیت ہے۔ اور لڑکیوں کی تعلیم وتربیت لڑکوں کی تعلیم وتربیت پر مقدم ہونی چاہیے کیونکہ اگر ایک لڑکی تعلیم یافتہ ہوتی ہے تو پورا ایک گھر تعلیم یافتہ بنتا ہے۔ جب لڑکیاں تعلیم یافتہ اور شائستہ ہوجائیں گی تو لڑکوں کا تعلیم پانا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ اس بات کو انہوں نے شہزادی اور اشرف النساء کے اس مکالمہ کے ذریعہ بہترین انداز میں ذہن نشیں کرانے کی کوشش کی ہے۔

شہزادی: لڑکیوں کے تعلیم پانے سے لڑکے کیوں کر تعلیم پائیں گے؟

''اشرف النساء: مرد کی تعلیم عورتوں کے اختیار میں ہے۔ جب لڑکے پیدا ہوتے ہیں تو پہلے ماں ہی سے تعلیم پاتے، بعد اس کے مولوی ماسٹر کے سپرد ہوتے ہیں۔ اس لئے مادری تعلیم کا اثر دل سے نہیں جاتا ہے۔ تم نے اکثر سنا ہوگا کہ فلاں میاں بہت پڑھے لکھے ہیں مگر انہوں نے جن کا فاتحہ دیا، چیچک کی بیماری میں مالی کو آنے دیا۔ اس

کی یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں اپنے گھر میں یہی کرتے دیکھا۔ دیکھتے دیکھتے مساوات (لاپرواہی) ہوگئی۔ جب بیاہ ہوا اور بی بی بھی ایسی ہی آئی تو انہوں نے خیال کیا کہ ماں کے یہاں بھی ایٹھک بیٹھک میں روپے برباد ہی ہوتے ہیں۔ اگر بیوی نے برباد کئے تو کیا مضائقہ، یہ تو عورتوں کا کام ہی ہے۔

اور اگر بیوی تعلیم یافتہ آئی تو میاں یہ نہیں کہیں گے کہ ہمارے یہاں بیٹھک ہوتی ہے تم بھی کرو۔ ایسی صورت میں گھر سے کچھ بکھیڑا کم ہوا یا نہیں؟ اور جو بی بی بھی ایسی ہی ملی تو مثل مشہور ہے، ایک کریلا کڑوا، دوسرے چڑھا نیم۔ ایک تو ماں ہی نے بے تعلیم کیا تھا، بی بی نے اور برباد کیا۔ اور جو مرد پڑھا لکھا تعلیم یافتہ ہے تو اس نے بی بی کو ان باتوں کی ممانعت کی۔ بس لڑائی جھگڑا ہونے لگا۔

لاڈلی: اے باجی! بی بی کیوں کر میاں کی تعلیم کر سکتی ہے؟

اشرف النساء: دور کیوں جاؤ، میرے نانا صاحب کو دیکھو، جب ان کی شادی نہیں ہوئی تھی تو پڑھنے میں دل نہیں لگاتے تھے۔ اس لئے میر واعظ صاحب ناراض رہتے تھے۔ جب ان کی شادی ہوئی، ان کی بی بی پڑھی لکھی، شرع دار ملی، شادی کے بعد ان کی بی بی نے جب طب کی کتابیں پڑھیں تو میر نادر صاحب کو بھی پڑھنے کا شوق ہوا۔ وہ بھی خاصے حکیم ہوگئے اور اپنا مطب کھولا۔ میر نادر کے گھر میں سب لوگ نماز روزہ کے پابند ہوگئے۔ یہاں تک کہ میر واعظ کی بی بی بیٹے کے سمجھانے سے نماز پڑھنے اور گہنے کی زکوٰۃ دینے لگیں۔ جتنی باتیں ان کے یہاں خلاف شرع ہوتی تھیں سب چھوٹ گئیں۔ ایٹھک بیٹھک میں جو روپے برباد ہوتے تھے وہ سب موقوف ہوئے۔ اب تمہیں دیکھو تمہارے رشتہ مند ہیں۔ میاں کیا بلکہ ساس سسر کی بھی تعلیم ہوگئی۔

شہزادی: یہ عورت ذات ہو کر طبابت کی کتابیں کیوں کر پڑھیں؟

اشرف النساء: یہ کیوں؟ کیا عورت طب نہیں پڑھ سکتی؟ کون سا کام ہے جو عورت نہیں کر سکتی ہے۔ آنکھ کان، سمجھ بوجھ تو عورت کو بھی اللہ نے دی ہے۔ مگر یہاں تو لڑکیوں کو چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ پڑھیں لکھیں، نہ ہنر سیکھیں، گڑیا کھیلنے میں اپنے دن گنوائیں۔

مرد کی تعلیم ہوتی ہے تو ان کا جوہر کھلتا ہے کہ یہ ہوئے وہ ہوئے، عورت کی تعلیم ہی نہیں ہوتی ہے۔ جس سے گھر کی سب طرح کی درستگی، دین و دنیا کی بھلائی ہو، ان کے باپ خود حکیم ہیں، انہوں نے اپنے باپ سے پڑھا، اب چھوٹے بچوں اور عورتوں کا علاج کرتی ہیں۔

شہزادی: ہاں بھابھی ضرور کتاب لکھئے۔ ہم بھی پڑھیں گے، ہم کو بھی فائدہ ہوگا۔

اشرف النساء: جب میرا کہنا مانو تب میں کتاب لکھنا شروع کروں۔

شہزادی: ہم آپ کا کہنا نہیں مانتے ہیں کیا؟ آپ جو کہتی ہیں ہم کرتے ہیں۔

لاڈلی: آپ کی بات کون نہیں مانے گا؟ بات ہی ایسی ہوتی ہے کہ ماننی پڑتی ہے۔

اشرف النساء: لاڈلی! یہ تو تم میرا دل بڑھانے کے واسطے زبانی کہہ رہی ہو، دل سے نہیں کہتی ہو اور اگر دل سے کہتی ہو تو میرے ساتھ چلو، بڑی اماں اور نانی اماں سے اپنا قصور معاف کراؤ، تب میں سمجھوں کہ میری بات ماننے کے قابل ہوتی ہے اور تم دل سے کہتی ہو۔''

اس مکالمہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنفہ نے تعلیم نسواں پر کس قدر زور دیا ہے۔ ساتھ ہی مسلم گھرانوں کی عورتوں کی جہالت، بدعت، ضعیف الاعتقادی اور دوسری سماجی برائیوں کی جانب اشارہ کر کے اس کی اصلاح کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔ شہزادی کے کردار اور مکالمہ کے ذریعہ انہوں نے یہ پیغام دیا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب عورت سے کتنوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اشرف النساء کے مکالمہ کے ذریعہ انہوں نے اس بات کی کتنی اچھی توجیہ پیش کی ہے کہ اگر عورتوں کی صلاحیت مردوں کے مقابلے میں کم نظر آتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم نہیں دی جاتی ہے، لڑکیوں کو یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ پڑھیں اور نہ ہنر سیکھیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے بہت بے توجہی برتی جاتی ہے، جس سے ان کی صلاحیت نہیں نکھرتی ہے اور ان کے جوہر دب جاتے ہیں۔ اس کے برعکس مردوں کی تعلیم ہوتی ہے تو ان کے جوہر کھلتے ہیں اور ان کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔

رشید النساء کو ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی ناول ''مرأۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' کے زیر اثر اصلاحی ناول لکھنے کی تحریک ملی۔ حالانکہ ان کے سامنے شاد عظیم آبادی کا ناول ''صورۃ الخیال'' بھی تھا۔ دونوں ناولوں کا موضوع تعلیم نسواں ہے۔ مراۃ العروس کی طرح اصلاح النساء کا موضوع بھی اصلاحی ہے۔ سہیل عظیم آبادی رقم طراز ہیں:

''رشیدن بی بی کے سامنے ایک مشن تھا۔ عورتوں کی اصلاح۔ اسی وجہ سے ان کا ناول بھی اصلاحی ہے۔ یہ ناول ان برائیوں پر روشنی ڈالتا ہے جو اس وقت ہمارے معاشرہ میں خاص کر مسلم معاشرہ میں تھیں۔ (۱۷)

''اصلاح النساء'' کا موضوع نہایت اہم ہے۔ معاشرہ کی صلاح واصلاح کا کام، فساد و بگاڑ کو دور کرنے کا کام ہر دور میں اہم رہا ہے۔ اور مجددین و مصلحین علماء و دانشور حضرات اپنے اپنے طریقے پر اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے ہیں۔ رشید النساء نے وعظ ونصیحت سے بہتر سمجھا کہ وہ قصے اور کہانی کے طور پر ایک ایسی کتاب لکھی جس سے مسلم معاشرہ کی عورتوں کی اصلاح ہو سکے۔ چنانچہ انہوں نے خوبصورت اور دلچسپ انداز بیان میں ناول تحریر کیا۔ فنی کمزوریوں سے قطع نظر یہ ناول اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ سائنس اور تکنالوجی کے عہد میں بھی ہمارے معاشرہ میں اس طرح کی جاہلانہ رسم ورواج موجود ہیں جن کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ اس طرح اس ناول کی افادیت آج بھی اسی طرح ہے جس طرح سوا سو سال قبل تھی جب یہ ناول لکھا گیا تھا۔

رشید النساء نے عورتوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ غلط عقائد، مشرکانہ رسوم، جاہلانہ طرز زندگی، اوہام پرستی، جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکے اور لڑائی جھگڑے وغیرہ کی نشان دہی کر کے اس کو مٹانے کی اچھی پہل کی ہے۔ ان کی نظر میں ان تمام برائیوں کی جڑ اور فساد کی بنیاد جہالت اور ناخواندگی ہے۔ لہٰذا انہوں نے تعلیم کو مرکزی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور مختلف کرداروں کے ذریعہ انہوں نے تعلیم کی اہمیت وافادیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتی ہیں کہ جب لڑکیاں شائستہ اور تعلیم یافتہ ہو جائیں گی تو لڑکوں کا تعلیم پانا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

مصنفہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی خاصا زور دیتی ہیں۔ ان کے نقطہ نظر سے تعلیم اور تربیت دونوں ضروری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تربیت کے بغیر تعلیم سودمند اور نفع بخش نہیں ہے۔ اس لئے بچوں کی تربیت بھی ضروری ہے اور تعلیم بھی۔ اس حقیقت کو شہزادی اور اشرف النساء کے مکالمے کے ذریعہ آشکار کرنے کی اچھی مثال ملتی ہے۔

''شہزادی: ہم تو پڑھنے کو تعلیم سمجھتے تھے۔ آج ہم کو نئی بات معلوم ہوئی کہ پڑھنا اور چیز ہے اور تعلیم اور چیز ہے۔

اشرف النساء: تعلیم میں پڑھنا تو داخل ہے مگر پڑھنے کے ساتھ ادب، تمیز، اخلاق کی باتوں کی تعلیم نہ ہو تو پڑھنا بے کار ہے۔''

مصنفہ کے خیال میں فقط پڑھنا لکھنا ہی تعلیم نہیں ہے، بلکہ اچھی باتیں سیکھنا، نئی معلومات سے آگاہ

ہونا، اخلاق وآداب سے آراستہ ہونا، تہذیب وشائستگی سے پیراستہ ہونا بھی لازمی ہے۔ خواتین کو ان باتوں سے بھی روشناس کرانا نہایت ضروری ہے۔ محض پڑھا دینا کمال نہیں ہے، کمال کی بات یہ ہے کہ لڑکیوں کی تربیت ایسی کی جائے کہ وہ اعلیٰ اخلاق وکردار اور وسیع فکر ونظر کی حامل ہوں۔ ان چیزوں کو نظر انداز کر کے شخصیت کی تعمیر وتشکیل مشکل ہے۔

اصلاح النساء کے مطالعہ کے دوران ایک بات کا اور شدید احساس ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف کے وقت مصنفہ کے پیش نظر محض یہ مقصد نہیں رہا ہوگا کہ عورتوں کی تعلیم کے تعلق سے صرف پند ونصائح جمع کر دیئے جائیں اور علم کی اہمیت اجاگر کر دی جائے۔ ان سب باتوں کے ساتھ بھی انہوں نے عورتوں کی روشن خیالی، بلند نظری اور بچوں کی نفسیات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ کن خطوط پر اور کیسے بچوں کی تعلیم وتربیت دی جائے۔ بچوں کا پہلا مکتب ماں کی گود ہے۔ بچہ سب سے پہلے اپنی ماں سے سیکھتا ہے۔ اس کے اچھے یا برے اثرات کو اخذ کرتا ہے، اس لئے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ ساتھ ہی بچوں کی تربیت اپنی سطح سے کرنے کے بجائے ان کی سطح سے کرنی چاہئے۔ بچہ شعوری اور لاشعوری طور پر ماں کے اثرات کو قبول کرتا ہے۔ مصنفہ نے بسم اللہ کے بچے نذیر اعظم اور لاڈلی اور رحمت النساء کی بچی اشرف النساء کے کرداروں میں اس جانب خوبصورت اشارہ کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناول ''مراۃ العروس'' میں اکبری اور اصغری کی کہانی بیان کی ہے۔ دونوں سگی بہنوں کی شادی دو سگے بھائیوں سے ہوتی ہے۔ اصلاح النساء میں دو سگے بھائی محمد اعظم اور محمد معظم دو مختلف عورتوں کے شوہر ہیں۔ مگر یہاں بھی دونوں بیویوں کا کردار اکبری اور اصغری جیسا ہی ہے۔ محمد اعظم کی بیوی پڑھی لکھی، سلیقہ مند اور بااخلاق ہے۔ جب کہ محمد معظم کی بیوی پھوہڑ، بدعقیدہ، جادو ٹونے پر یقین رکھنے والی، توہم پرست اور جاہل ہے۔ اکبری اور اصغری کے کرداروں کی طرح یہاں بھی دو متضاد اور متخالف کردار دکھلائے گئے ہیں۔ رشید النساء نے کہانی کی صورت میں ایک ایسی حقیقت بیان کی ہے جو نہ صرف انیسویں صدی میں اہم تھی بلکہ اکیسویں صدی میں بھی یہ اسی قدر اہم ہے۔ کیونکہ آج بھی ہمارا سماج خرافات وبدعات سے پوری طرح پاک نہیں ہوا ہے۔

''اصلاح النساء'' کی کہانی

''اصلاح النساء'' کی کہانی عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک شریف اور زمیندار گھرانے کی ہے، عظیم آباد کے ایک محلّہ میں لب دریا دو سگے بھائی محمد اعظم اور محمد معظم رہتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے باپ کے ترکہ سے سو سو روپے ماہواری کی معاش پائی تھی۔ محمد اعظم زمینداری کی دیکھ ریکھ خود کرتے تھے، اس کا حساب و کتاب رکھتے تھے۔ اس فکر میں رہتے تھے کہ جائز طور پر آمدنی میں ترقی ہو، وہ رعایا کے ساتھ بہتر سلوک کرتے تھے۔ نماز روزہ اور خیرات وصدقات بھی کیا کرتے تھے۔ ان کی بیوی بھی ان کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ پڑھی لکھی اور امور خانہ داری میں ماہر تھی۔ اخلاق منداور شوہر کی فرماں بردار تھی۔ گھر کے اخراجات کا حساب و کتاب رکھتی تھی۔ ضرورت کے موقع پر ہر چیز سلیقہ سے خرچ کرتی، گھر کے اخراجات کے لئیجو پیسے ملتے، اس میں سے کچھ بچا لیتی، صبح سویرے بیدار ہوتی، نماز، تلاوت اور وظیفہ سے فارغ ہوکر گھر کا کام کاج کرتی، غرض دونوں میاں بیوی اسی آمدنی میں آرام وآسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جو لوگ محمد اعظم کی آمدنی اور جائداد کا حال جانتے تھے ان کو تعجب ہوتا تھا کہ کیسے دونوں میاں بیوی اتنی کم آمدنی میں اتنی خوش حال زندگی گذار رہے ہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ میر صاحب یا تو کیمیا بناتے ہیں یا دست غیب کا عمل جانتے ہیں۔ ان کی زندگی پر ہر ہمسایہ کو رشک ہوتا تھا۔

اس کے برعکس محمد معظم کی بیوی بدمزاج، بدسلیقہ، فضول خرچ اور جھوٹی شان پر مرنے والی عورت تھی۔ دونوں میاں بیوی کی آمدنی گیارہ سو روپے تھی، لیکن بیوی کی بدانتظامی، بے سلیقگی اور فضول خرچی کے باعث اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آمدنی کہاں جاتی ہے۔ محمد معظم اپنی بیوی کو ہمیشہ سمجھاتے۔ لیکن وہ اپنے شوہر سے لڑائی جھگڑا کرنے پر آمادہ ہوجاتی۔ سارا وقت جھگڑوں اور ٹونے ٹوٹکے میں گذر جاتا۔ خانہ داری کی چیزوں کو کبھی ٹھیک سے دیکھتی بھی نہیں تھی۔ اس کی جہالت کا یہ حال تھا کہ دین وایمان کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ قرآن پڑھنا بھی نہ آتا تھا۔ نماز روزے کا اس گھر میں کوئی اہتمام نہیں تھا۔ رات دن بیوی پیر کھلایا کرتی

تھی۔ محمد معظم اپنی بیوی کی حرکتوں اور بدزبانی کے آگے خاموش رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا تھا۔

محمد اعظم کے پاس ایک بیٹا ہے، جس کا نام امتیاز الدین ہے، امتیاز الدین تعلیم یافتہ، مہذب، سلیقہ شعار، اور دیندار ہے۔ محمد معظم کے پاس ایک بیٹی ہے، جس کا نام بسم اللہ ہے۔ یہ ان پڑھ، جاہل، پھوہڑ اور بدمزاج لڑکی ہے۔ محمد اعظم اپنے بیٹے کے رشتہ کے لئے پریشان ہیں۔ محمد معظم چاہتے ہیں کہ اپنی بیٹی بسم اللہ کی شادی امتیاز الدین سے کریں، دونوں بھائیوں نے آپس میں رشتہ طے کرلیا، محمد اعظم کی اہلیہ شوہر کی طابع دار تھی اور بیٹا بھی سعادت مند تھا اس لئے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن محمد معظم کی بیوی کو یہ رشتہ منظور نہیں تھا۔ اس نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ امتیاز الدین کے مذہبی عقیدے کو غلط ٹھہرایا اور کہا کہ وہ ہمارے جوڑ کا نہیں ہے۔ تم کو کیا اختیار تھا کہ مجھ سے پوچھے اور مشورہ کئے بغیر نسبت طے کردی۔ غرض بیوی نے رات بھر گھر میں ہنگامہ مچائے رکھا۔ ان سب باتوں سے اس کے شوہر کو بہت صدمہ ہوا۔ اور وہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ بیوی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تمہارا دل چاہے شادی کردینا۔ مجھے اب کسی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ حال دیکھ کر بیوی ڈر جاتی ہے اور ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی رشتہ طے ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ شادی کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کردیتی ہے۔

محمد معظم اپنی ہمشیرہ کریم النساء کو بلا کر گھر کا کل انتظام ان کے سپرد کردیتے ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اب کسی طرح میری نہیں چل رہی ہے اور کسی کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے تو اس نے نسبت توڑنے کے لئے چپکے چپکے بہانے ڈھونڈنا شروع کردیا اور ترکیبیں تلاش کرنے لگیں، وزیرن بلائی گئی، دعا تعویذ، منتیں ہونے لگیں، دن گذرتے گئے۔ اس نے سوچا کہ میری کوئی سنتا نہیں ہے۔ اس طرح تو شرعی شادی ہوجائے گی۔ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ سارے ارمان دل ہی میں رہ جائیں گے، اس لیے محمد معظم کی بیوی نے ایک چال چلی اور حاجی پور سے اپنے پھوپھا میر محمد واعظ اور پھوپھی کو بلا بھیجا کہ جلد یہاں آئیں ورنہ زندہ نہ بچوں گی۔ دوسرے دن جب ان کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ میلے کچیلے کپڑے پہن کر ایک کونے میں جا بیٹھی اور رونے پیٹنے لگی۔ پھوپھی نے بھتیجی کو گلے لگایا اور خود بھی رونے لگیں۔ پھر اس کو تسلی دی اور مٹھائی منگوا کر بڑے پیر کی نیاز دی، مولا مشکل کشا اور پیر دیدار کا کونڈا ہوا۔ خشکہ پکا اور دہی آیا، سب کونڈوں میں بھرا گیا اور پیر دیدار کا فاتحہ ہوا۔ بسم اللہ کی ماں نے باتیں بنا بنا کر اپنے میاں کی ہزاروں شکایتیں کیں۔ تب اسے تھوڑا اطمینان ہوا۔ میر محمد واعظ نے محمد معظم سے گفتگو کی اور ان سے کہہ کر شادی کا انتظام بسم اللہ کی ماں کے

ہاتھ میں دلوایا۔ ادھر بسم اللہ کی ماں سے کہا کہ اب رونا دھونا بند کرو اور شادی کا کام انجام دو۔ رشتہ توڑنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے ہم سب کی بدنامی ہوگی۔ منیری بیگم نے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن میری بیٹی اکلوتی ہے اس لئے میری شرط ہے کہ شادی عرفی ہوگی اور لڑکا شادی کے سارے رسومات کو انجام دے گا۔

محمد اعظم کو عرفی شادی کی خبر ملی تو انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اس شرط کو قبول کر لیا جائے۔ انہوں نے عرفی بارات کے انتظام کی تیاری شروع کر دی۔ محمد معظم نے مہاجن سے دس ہزار روپے لے کر پانچ ہزار روپے منیری بیگم کے حوالہ کئے کہ وہ شادی کی تیاری کر سکے۔ منیری بیگم نے برہمن کو بلا کر پچاس روپے اور پانچ سیر ارواچاول دے کر اس سے برات اور مانجھا کی تاریخ نکلوائی۔ شادی کی تاریخ اکیس کو خواجہ معین الدین کی برات کے دن طے کی گئی۔ بسم اللہ کو مانجھا میں بٹھانے کے بعد سمدھن مامائیں باجے گاجے کے ساتھ سمدھیانے گئیں، جہاں ان کی خوب خاطر و مدارات ہوئی۔ یہاں بسم اللہ کی ماں کو اس بات سے تکلیف پہنچی کہ گال میں صندل کیوں نہیں لگایا گیا اور شربت پلائی کے وقت گالی کیوں نہیں دی گئی۔ امتیاز الدین کی والدہ مذہبی اور دین دار تھیں وہ ان چیزوں کو خرافات سمجھتی تھیں۔ بالآخر ان تمام رسومات اور خرافات کے درمیان امتیاز الدین اور بسم اللہ کی شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد بسم اللہ اپنی عادت کے مطابق ترش لہجہ اپناتی ہے۔ وہی چال اور عادت ہے جو ماں سے سیکھ کر آئی ہے۔ شوہر ہر طرح اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنی عادت بدلنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ گھر میں کچھ بھی ہوتا تو بسم اللہ اور اس کی ماں پیر کھیلتی۔ بیمار پڑنے پر بجائے ڈاکٹر کو دکھلانے اور دوا علاج کرنے کے لئے تعویذ اور تشتری لکھ کر دیا جاتا، ایک مرتبہ بسم اللہ بیمار ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے نسخہ لکھا، دوا آئی۔ بسم اللہ کا علاج ڈاکٹر سے تو کبھی ہوا نہیں تھا۔ وہ ڈاکٹر کا نام سنتے ہی گھبرا گئی۔ ماں کو خبر ہوئی، وہ بسم اللہ کو دیکھنے آئی، امتیاز الدین کے ماں باپ کو بہت بھلا برا کہا، میں اسی وجہ سے یہاں شادی کرنے کو تیار نہ تھی، میری لڑکی کو یہ لوگ مار ڈالیں گے۔ جب یہ چھ مہینے کی تھی تب اس کو جعفر جن کا سایہ ہو گیا تھا۔ میں نے اس کو بڑی مشکلوں سے بچایا تھا۔ بسم اللہ کی ماں ڈاکٹر کے علاج سے ناخوش ہوئی اور غصہ میں اپنی بیٹی کو ساتھ لیتے گئی۔ امتیاز الدین اپنی بیوی کو اس کی نادانی پر سمجھاتا رہا لیکن اس کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔

بسم اللہ جب امید سے ہوئی تو اس کا سرمہ لگانا اور ناخن اتروانا چھوڑوا دیا گیا۔ جب نواں کا چاند ہوا، گھر میں تقریب ہوئی۔ بسم اللہ کے جوڑے بنائے گئے۔ چاندی کے سامان تیار ہوئے، بیبیاں آئیں اور

خوب خوشیاں منائی گئیں۔ بسم اللہ کو بیٹا پیدا ہوا تو بہت سی رسمیں ادا کی گئیں۔ چھٹی کے بعد طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے ہوتے رہے۔ ادھر بچہ بیمار پڑ گیا، رات کو چیخ اٹھا، مامائیں آئیں جھاڑ پھونک ہونے لگی لیکن بچہ نہ بچ سکا اور مر گیا۔

ایک سال بعد بسم اللہ کو دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ بچہ جب ایک سال کا ہوا تو گاؤں میں وبا پھیل گئی۔ امتیاز الدین نے بیوی سے کہا کہ چیچک کا ٹیکہ لگوا دو، بسم اللہ نے اس سے انکار کیا۔ ٹیکہ کی جگہ پیر فرید گنج شکر کا فاتحہ ہوا، ادھر بچے کی بیماری شدت اختیار کرتی گئی۔ چند روز بعد یہ بچہ بھی قضا کر گیا۔ اس کے بعد بسم اللہ بہار شریف چلی جاتی ہے اور مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری کے مزار پر جا کر چلہ کھینچتی ہے۔ وہاں ایک مجاور کی عورت بسم اللہ کے شوہر کو باندھا غلام بن جانے اور میاں بیوی کے درمیان الفت و محبت قائم ہونے کے لئے امتیاز الدین کو الو کا گوشت کھلانے کا مشورہ دیتی ہے۔ بسم اللہ کی ماں اس پر عمل کرتی ہے۔ لیکن نوکرانی گل چمن اس حقیقت سے آگاہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ امتیاز الدین عین وقت پر کھانا کھانے سے انکار کر دیتا ہے اور واپس آ جاتا ہے۔

جب امتیاز الدین کے والد محمد اعظم کو ان باتوں کی خبر ہوتی ہے تو وہ بہو کو آنے کے لئے ایک خط لکھتے ہیں اور ماما کو خط اور مٹھائی لے کر روانہ کر دیتے ہیں۔ بسم اللہ خط اور مٹھائی کو واپس کر دیتی ہے۔ اور وزیرن کے مشورہ سے امتیاز الدین کے نام ایک خط لکھواتی ہے، جس میں تحریر ہوتا ہے کہ تمہارے باپ نے مجھے بلایا ہے۔ میں ضرور آتی، مگر اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر نہ آؤ گی تو تمہارا نقصان ہوگا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا کیا نقصان ہوگا۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ تم دوسری شادی کرنا چاہتے ہو تو شوق سے کرو۔

چنانچہ حالات سے تنگ آ کر محمد اعظم امتیاز الدین کی دوسری شادی رحیم النساء کی لڑکی رحمت النساء سے کر دیتے ہیں۔ رحمت النساء پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ بہت سنجیدہ اور سلجھی ہوئی، وہ گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔ امتیاز کو جب سکون میسر ہوتا ہے اور گھر کے بکھیڑے سے فرصت ملتی ہے تو وہ سب ڈپٹی کا امتحان دیتا ہے اور کامیاب ہو کر سب ڈپٹی بن جاتا ہے۔ جب بسم اللہ کو شادی کی خبر ملی تو ماں بیٹی میں جم کر لڑائی ہوتی ہے۔ ماں نے بیٹی کے نام پر ہائے بسم اللہ ہائے بسم اللہ اور بیٹی نے میاں کے نام پر اور ماماؤں نے رحمت النساء کے نام پر پیٹنا شروع کیا۔ دونوں ماں بیٹی کو بہکانے کا کام نوکرانی وزیرن کرتی ہے، اب سوائے امتیاز الدین سے میل ملاپ کرانے کے دوسری کوئی صورت نہ تھی۔ میر غلام علی نے بیچ میں پڑ کر میل ملاپ کرایا۔

بسم اللہ امتیاز الدین کے پاس آ جاتی ہے۔ بسم اللہ اتنے دنوں میں کچھ حد تک وزیرن کے کھیل کو سمجھ چکی تھی۔ ادھر رحمت النساء کے بہتر سلوک اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے اس میں تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔

رحمت النساء کو ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام اشرف النساء رکھا گیا، بسم اللہ کے گھر ایک بیٹا نذیر اعظم ہوتا ہے۔ دو سال کے بعد بسم اللہ کو ایک لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام امیر النساء رکھا گیا لیکن سب اسے پیار سے لاڈلی کہتے ہیں۔ اشرف النساء بھی اس خاندان کے لئے رحمت ثابت ہوئی، اس نے نہ صرف اپنا گھر سنبھالا بلکہ سوتیلے بھائی بہنوں کی تربیت میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی، لاڈلی پڑھی لکھی تھی، لیکن تربیت کی کمی تھی جس کے سبب اس کے اندر غصہ اور غرور تھا۔ امتیاز الدین نے اشرف النساء کی شادی عظیم آباد میں کی۔ لڑکا بہت نیک بخت اور پڑھا لکھا تھا، اشرف النساء سسرال میں اچھی طرح رہتی۔ سب کا ادب لحاظ اور شوہر کی اطاعت کرتی، اس کا کسی بات میں نند سے یا گھر کے دوسرے افراد سے اختلاف اور جھگڑا نہیں ہوتا۔

لاڈلی کی شادی اسی شہر میں ہوئی۔ ان کے میاں کو ہزار روپے مہینے کی آمدنی تھی۔ ان کا مزاج بھی اچھا تھا، اس کی پہلی بیوی ایک لڑکا چھوڑ کر مر گئی تھی۔ لاڈلی جب رخصت ہو کر سسرال گئی، ساس نند سے بگاڑ پیدا ہو گیا۔ سوتیلے لڑکے کو وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی، اپنی بدمزاجی کے باعث وہ سسرال سے لڑائی جھگڑا کر کے ماں کے یہاں چلی آئی۔ یہاں بھی اختلاف ہو گیا تو وہ اشرف النساء کے یہاں چلی گئی۔ اشرف النساء نے اسے بیس روز اپنے یہاں رکھا، پیار و محبت سے اسے سمجھاتی، نصیحت کرتی، جس سے لاڈلی کے دل پر اثر ہوا۔ اشرف النساء کے کہنے پر اس کے ساتھ ماں کے یہاں آ گئی۔ ماں اور نانی سے اپنا قصور معاف کروایا، دو روز یہاں رہ کر سسرال چلی گئی۔ ساس اور نند سے بھی اچھی طرح ملی، میاں اور سوتیلے لڑکے سے محبت کرنے لگی، سسرال والوں کو اس کی کایا پلٹ ہونے سے تعجب ہوا، رفتہ رفتہ سب اس کی عزت کرنے لگے۔ اشرف النساء کی نند شہزادی بھی اس کے سمجھانے سے سسرال گئی اور خوشی خوشی سسرال میں رہنے لگی۔ ایک سمجھدار اور تعلیم یافتہ عورت سے کتنوں کو فائدہ ہوا۔ اگر عورتوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جائے تو اس سے پورے خاندان، سماج اور ملک کو فائدہ ہوگا۔

ناول کے دوسرے حصے میں بسم اللہ کے بیٹے نذیر اعظم کی شادی کا ذکر ہے۔ جب نذیر اعظم بڑا ہوا، اور شادی کے سن کو پہونچا تو امتیاز الدین کو اس کی شادی کی فکر ہوئی، مگر وہ چاہتے تھے کہ انٹر پاس کر لے تب

کہیں پیام کیا جائے لیکن ماں اور نانی کے دل میں صبر کہاں تھا، چپکے چپکے نسبت تلاش ہونے لگی۔ مشاطہ کو حکم ہوا کہ اچھی جگہ سے نسبت لاؤ، لیکن اچھی جگہ سے نسبت نہیں آئی، اس کے لئے منتیں مانگی گئیں، حضرت کی کہانی کا چلہ کھینچا گیا اور چالیس روز تک تسلسل کے ساتھ کہانی سنائی گئی۔ یہ سب امتیاز الدین کی ساس کے یہاں چپکے چپکے ہوتا رہا، بالآخر رئیس الدین کی لڑکی سردار دلہن سے رشتہ طے ہوا۔ بسم اللہ اپنے شوہر امتیاز الدین سے چھپا کر ۱۹/رجب کو امام ضامن باندھنے گئیں۔ جب رمضان شروع ہوا تو سمدھیانے افطار بھیجی گئی۔ پھر عید کی تیاری شروع ہوئی، رئیس الدین کو یہ سب معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ روزے فضول کیوں برباد کرتی ہے، ہم امتیاز الدین کو منع کرتے ہیں کہ وہ یہ سب بکھیڑا نہ کریں۔ بسم اللہ نے کہا معاذ اللہ ایسا ہر گز مت کرو۔ میں یہ سب میاں سے پوشیدگی میں کرتی ہوں۔

شادی کی تاریخ طے ہو گئی، برات کا دن آیا، شرعی بارات روانہ ہوئی، دلہن رخصت کر کے گھر لائی گئی، ایک برس بعد لڑکا پیدا ہوا، لڑکے کی پیدائش پر تمام جاہلی رسومات ادا کی گئیں، سردار دلہن تعلیم و تربیت یافتہ لڑکی تھی، ان کو ان سب حرکتوں سے تعجب ہوتا تھا۔ لاڈلی اپنے سسرال میں رہتی تھی۔ مگر ملنے جلنے کے لئے دو چار روز کے بعد آ جایا کرتی تھی۔ جب وہ آتی تو بھاوج بڑے اخلاق سے پیش آتی۔ لاڈلی اشرف النساء کی صحبت میں بہت حد تک درست ہو گئی تھی، مگر مادری تعلیم کا کچھ اثر باقی تھا، سردار دلہن کی اثر اور تربیت نے ان کو نماز روزہ کی طرف مائل کر دیا۔ رفتہ رفتہ نماز کی مکمل پابند ہو گئی اور گہنا کی زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگی۔

سردار دلہن نے جب یہ دیکھا کہ اس کا شوہر اپنی ماں اور نانی کو سخت سے سخت بات کہہ دیتے ہیں اور ان کے پاس بیٹھتے تک نہیں، تو اس نے میاں کو سمجھانا شروع کیا، بیوی کے سمجھانے سے نذیر اعظم ماں اور نانی کے پاس جا کر بیٹھنے لگے اور اچھی اچھی باتیں کرنے لگے، غصہ کرنا ختم ہو گیا، جب نذیر اعظم کی ماں اور نانی نے دیکھا کہ بی بی کے رہنے سے یہ بہت ٹھیک ہو گیا ہے تو بہو کو بہت چاہنے لگیں۔

ایک روز شبراتن نے سردار دلہن سے کہا کہ آج کل سرکار بہت گھبراتی ہیں کیونکہ آپ کو چاندی کے جو زیور ملے تھے، اس پر مہاجن کے یہاں سے ہزار روپیہ منگوایا گیا تھا، مہاجن بہت تقاضا کرتا ہے، سردار دلہن نے قرض کی ادائیگی کی سبیل پیدا کر دی۔ جب اس کی جانکاری بسم اللہ اور اس کی ماں کو ہوئی تو بہو کی عقلمندی کی قائل ہو گئی اور پہلے سے زیادہ ماننے لگی۔ سردار دلہن وزیرن کا کھیل سمجھ چکی تھی۔ اس نے وزیرن کو سمجھا بجھا کیا، اسے دین و شریعت کی بات بتائی، خدا کا ڈر اور خوف پیدا کیا اور پیر کھیلنے سے توبہ کرنے اور

خدا کی یاد میں زندگی بسر کرنے کی تلقین کی۔ وزیرن کو یہ خطرہ تھا کہ اگر یہ سب چھوڑ دیں گے تو کھائیں گے پیئیں گے کہاں سے؟ انہوں نے کہا کہ تم توبہ کرو اور خدا کو یاد کرو، اگر تم یہ سب چھوڑ دو گی تو ہم کھانا اور کپڑا دیں گے۔ اس نے سچے دل سے توبہ کی۔ بسم اللہ اور بسم اللہ کی ماں کو بھی خدا کا خوف پیدا ہوا۔ دونوں ماں بیٹی نے توبہ کیا، خوف خدا سے ڈریں، نماز پڑھنے لگیں اور گہنے کی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ کچھ دنوں کے بعد وزیرن نے حج پر جانے کا ارادہ کیا، سب نے مل کر روپئے کا انتظام کر دیا اور وزیرن حج پر روانہ ہو گئی۔ سب لوگ خوش خوشی رہنے لگے۔ ناول کا اختتام اس دعائیہ جملے پر ہوتا ہے کہ خدا ایسی بہو سب کو نصیب کرے۔

''اصلاح النساء'' کا فنی جائزہ

''اصلاح النساء'' پر نذیر احمد کے ناول ''مراۃ العروس'' کا اثر بہت نمایاں ہے۔ دونوں کے واقعات اور قصے میں بھی ایک حد تک مناسبت، مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ چونکہ رشید النساء کے سامنے ''مرأۃ العروس'' نمونے کے طور پر موجود تھا، اس لئے ''اصلاح النساء'' پر ''مرأۃ العروس'' کا رنگ غالب ہے۔ دونوں کتابوں کی غرض و غایت اور مقصد بھی ایک ہے۔ اور وہ ہے سماج کی اصلاح، عورتوں کی تعلیم، جہالت کی بیخ کنی، غلط عقائد اور رسومات سے معاشرہ کو پاک کرنا، جن کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے گھر کے گھر اور خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔ انہوں نے ان برائیوں کو دور کرنے کے لئے لڑکیوں کی تعلیم پر توجہ مرکوز کی۔ اور جہالت کو اس کی بنیاد قرار دیا۔ ان کی نظر میں ان تمام برائیوں کی جڑ جہالت اور ناخواندگی ہے، جہالت ہی سے ساری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا خواتین کا تعلیم یافتہ ہونا از بس ضروری ہے، عورتیں اگر تعلیم یافتہ ہو گئیں تو گھر اور خاندان کے دوسرے لوگ بھی تعلیم یافتہ ہوں گے۔ انہوں نے قصے اور کہانیوں کے انداز میں سبق آموز اور نصیحت کی باتیں پیش کی ہیں۔ مصنفہ رشید النساء اصلاح النساء کے دیباچہ میں لکھتی ہیں:

> میرے نزدیک ان ہی وجھوں سے ایک طرح کی نا چاقی میاں اور بی بی میں ہو جاتی ہے، جس سے ساری عمر رنج میں کٹتی ہے۔ اور جو میاں بی بی دونوں جاہل ہوئے تو باہر میاں نے فضول باتوں اور بدکاری اور گھر میں بی بی نے ٹونے ٹوٹکے، رسم رسومات میں ساری دولت ٹھکانے لگا دی، سب نے کہا کہ آپ بہت ٹھیک کہتی ہیں، یہی سب باتیں بگاڑ اور بربادی کی ہوتی ہیں۔ اگر یہ سب باتیں نصیحت کے طور پر لکھی جائیں تو بڑا فائدہ ہوگا۔ ان کے کہنے سے مجھ کو بھی خیال ہوا کہ ایک کتاب ایسی لکھیں جن میں ان رسموں کا بیان ہو جن کے باعث سے صدہا گھر تباہ ہو گئے۔ اور جو باعث فضول خرچ اور فساد کے ہیں۔ مگر مجھے یہ خیال بھی ہوا کہ ان باتوں کو نصیحت کے طور پر لکھنا میری حیثیت پر زیبا نہیں ہے بلکہ ان باتوں کو قصہ کے پیرایہ میں لکھنا ہر طرح مناسب ہوگا۔ یہ سوچ کر

میں نے ان ہی کاموں اور جھگڑوں کو جو روزانہ ہر وقت ہر شریف خاندان میں ہوتے ہیں۔فرضی نام رکھ کر لکھنا شروع کیا۔(۱۸)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنفہ نے جاہلانہ رسم و رواج، برے عقائد، روزانہ کے جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے ان باتوں کو قصہ کے انداز میں پیش کیا ہے۔ان باتوں کو مصنفہ نے نصیحت کے طور پر لکھنے کے بجائے کے قصہ کے پیرائے میں لکھنا زیادہ مناسب سمجھا۔ان کی نظر سماج ومعاشرہ کی ان برائیوں اور خرابیوں پر تھی جن سے شریف گھرانے اور مہذب خاندان بھی محفوظ نہیں تھے اور جس کے سبب صدہا گھر تباہ وبرباد ہو گئے، یہ ناول سماجی اصلاح اور معاشرتی بگاڑ کو دور کرنے کی غرض سے لکھا گیا ہے،اس لئے اس کا نام ''اصلاح النساء'' رکھا گیا۔

رشید النساء کے بقول نصیحت اور پند کے طور پر لکھنا میری حیثیت پر زیب نہیں دیتا ہے،اس سے بہتر ہے کہ کہانی اور قصہ کے طور پر مسلم گھرانوں کے لڑائی جھگڑے،خرافات وبدعات اور کمزوریوں اور خامیوں کو بیان کریں تا کہ لوگ کہانی اور قصہ سننے کے شوق اور دلچسپی میں اسے پڑھیں،ان احوال پر غور کریں اور اصلاح کی فکر کریں۔چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب کو قصہ کی صورت میں لکھا۔قصہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''عظیم آباد کے ایک محلے میں دریا کے کنارے دو سگے بھائی رہتے تھے۔دونوں بھائی عاقل، نیک مزاج، ایماندار، پابند صوم وصلاۃ تھے،دونوں بھائیوں نے اپنے باپ کے ترکے سے سوسو روپے ماہواری کی معاش پائی تھی۔ بڑے بھائی کی شادی ایک شریف خاندان میں ہوئی تھی،ان کی بی بی کو میکے کی کچھ آمدنی نہ تھی۔لیکن ماں باپ کی اچھی تعلیم وتربیت کی وجہ سے خوش سلیقہ، ہنرمند اور بقدرضرورت پڑھی ہوئی تھیں۔ایک تو مزاج خلقی نیک تھا،اس پر اچھی تعلیم وتربیت نے خلق وانکسار مزاج میں بڑھا دیا تھا۔ بھلی بری باتوں کی سمجھ درست ہوگئی تھی۔اس سے شوہر کی اطاعت وفرماں برداری بہت کرتی تھیں۔ان صفتوں کی بدولت بی بی میاں دونوں اسی آمدنی میں میل وموافقت کے ساتھ ایسی آرام وآسائش کی زندگی بسر کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔جو لوگ محمد اعظم کی آمدنی اور جائداد کا حال سنتے یا جانتے تھے وہ گمان کرتے تھے کہ میر صاب یا تو کیمیا بناتے ہیں یا دست غیب کا عمل جانتے ہیں۔غرض ان کی زندگی پر ہر ہمسائے کو رشک ہوتا تھا۔''(۱۹)

ناول کے مطالعہ کے دوران یہ احساس جاگتا ہے کہ پورے ناول میں قصہ بہت مختصر ہے۔جسے پھیلا کر بیان کیا گیا ہے۔شروع سے آخر تک مقصد اور اصلاح کا رنگ غالب ہے۔واقعات کے مقابلے میں رسم ورواج اور ٹونے ٹوٹکے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔قصہ دو متضاد گھرانوں کے واقعات کے بیچ گردش کرتا ہے،عظیم آباد کے ایک محلے میں دریا کنارے دو سگے بھائی رہتے ہیں، دونوں بھائی عاقل، نیک مزاج، ایماندار، پابند صوم وصلاۃ ہیں، بڑے بھائی کی بیوی تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند ہے،نماز روزے کی پابند ہے،صبح اٹھنے کی عادی ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر معمولی وظیفہ پڑھ کر ناشتے کھانے کی تیاری میں مشغول ہو جاتی ہے۔بچوں کو صبح جگا کر ہاتھ منہ دھلوا کر کچھ ناشتہ کروا کر مکتب بھیج دیتی ہے،اس گھر میں کھانا سویرے تیار ہو جاتا ہے، دس بجے تک سب کھا پی کر سو جاتے ہیں، بی بی میاں کے مزاج کے خلاف کوئی کام بھی نہیں کرتی ہے۔گھر امن وسکون کا گہوارہ ہے۔نہ شور ہوتا ہے اور نہ غل، نہ لڑائی نہ جھگڑا۔میاں بی بی کی خوش مزاجی، سلیقہ مندی، بہتر انتظام وانصرام کے سبب گھر میں امن وچین رہتا ہے۔اس گھر میں ہر چیز سلیقے اور قرینے سے رکھی جاتی ہے۔ ہر کام اپنے وقت پر سلیقگی سے انجام پاتا ہے۔کوئی سائل دروازے پر آ جاتا ہے تو اسے واپس نہیں کیا جاتا ہے۔

دوسرے بھائی محمد معظم کی بیوی بدمزاج اور بدسلیقہ ہے۔ان کے گھر میں گرچہ میاں بی بی دونوں کی آمدنی ملا کر گیارہ سو روپے ماہوار کی آ جاتی ہے۔لیکن بی بی کی بدسلیقگی اور بدانتظامی کے سبب اس کا کچھ اتا پتا نہیں چلتا۔بی بی فضول خرچ کرنے والی،شوہر کی نافرمان اور ترش زبان ہے۔کوئی دن ایسا نہ تھا جو ان کے گھر سے رونے چلانے اور گالی گفتہ کی آواز نہ آتی ہو۔بی بی کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ قرآن شریف تک پڑھنا نہیں آتا تھا۔دین وایمان بالکل نہیں جانتی تھی۔نماز روزہ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔روزہ اگر رکھا بھی جاتا تو سوا پہر کا روزہ،حضرت مشکل کشا کا،خواجہ خضر یا بی بی آس یا بی بی نور کا،دن رات پیر کھلایا کرتیں اور پیر اس کثرت سے تھے کہ خدا کی پناہ۔دعا تعویذ اور ٹونے ٹوٹکے پر بہت خرچ کرتیں،تعویذ لکھنے والے،فال کھولنے والے اور ماما اصیلوں کی خوب بن پڑتی۔بی بی رات دن اسی دھن میں رہتی تھیں،ان کو اپنی بیٹی بسم اللہ کی تعلیم کا کوئی خیال نہ تھا،اگر وہ بیمار ہو جاتی تو وزیرن پیر بلائی جاتی، جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس کو خوب لوٹتی،غرض بی بی کے سبب گھر میں ہمیشہ بے اطمینانی اور خلفشار کا ماحول قائم رہتا تھا۔

انہیں دو متضاد گھرانوں کے واقعات کے درمیان پورا ناول گردش کرتا ہے۔ واقعات یکے بعد دیگرے رونما ہوتے ہیں۔نہ واقعات میں تنوع ہے اور نہ ان میں دلکشی ورعنائی ملتی ہے۔امتیاز الدین اور

بسم اللہ کی شادی کے واقعہ کو ہی لیجئے۔شادی بیاہ کی رسموں کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے کہ وہ رسمیات کی کہانی معلوم ہوتی ہیں۔اصل قصہ ذہن سے محو ہو جاتا ہے اور قاری کا ذہن رسم رواج میں الجھ جاتا ہے،مقصدیت کے چکر میں فن کی طرف سے غفلت ہو جاتی ہے۔''اصلاح النساء'' میں بھی یہی ہوا ہے۔مقصد کے چکر میں فن پر بھرپور توجہ نہیں دی گئی ہے۔مصنفہ کے سامنے ان کا اصل مقصد ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے۔انہوں نے لڑکیوں کی اصلاح کی کوشش کو فن پر مقدم رکھا ہے۔اور یہی اس ناول کی خوبی بھی ہے اور خرابی بھی۔ڈاکٹر آصفہ واسع ناول کے واقعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''اصلاح النساء کے واقعات ایک خاندان سے منسلک ہیں، زندگی کی پوری ہما ہمی، پے چیدگی اور ہمہ جہتی نظر نہیں آتی اور نہ واقعات میں تیکھا پن ہے۔ناول کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔تنوع کردار، نیرنگی واقعات اور کثرت اثر کے ساتھ ایک تنظیمی وحدت ملتی ہے۔گرچہ مصنفہ نے واقعات کے انتخاب میں منطقیت سے کام لیا ہے۔کیونکہ جن رسموں کو وہ دکھانا چاہتی تھیں ان کے لئے شادی، ولادت اور موت سے بڑھ کر دوسرے موزوں مواقع نہیں مل سکتے تھے۔(۲۰)

''اصلاح النساء'' کے قصہ پر داستانی اثرات کی جھلک ملتی ہے۔قصہ حقیقی اور سچائی پر مبنی ہونے کے باوجود تصوراتی معلوم ہوتا ہے۔داستانوی انداز بیان قصہ کی سچائی کو کمزور کرتا ہے۔اس ناول کے واقعات اور قصے زندگی کے ایک رخ کو پیش کرتے ہیں۔ناول انسانی زندگی کی مکمل تصویر کشی کرتا ہے۔لیکن اس کا قصہ یک رخا اور یک طرفہ ہے۔اس میں انسانی زندگی کی مکمل تصویر نہیں ملتی ہے۔قصہ کا آغاز محمد اعظم اور محمد معظم کی داستان سے ہوتا ہے۔محمد اعظم کی بیوی پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ ہے۔وہ سلیقہ شعار اور نیک مزاج ہے، محمد معظم کی بیوی بدسلیقہ بدمزاج اور جھگڑالو ہے۔بڑے بھائی کی بیوی نماز روزہ کی پابند اور دیندار ہے، چھوٹے بھائی کی بیوی کو نماز روزہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔وہ ٹونے ٹوٹکے پر ایمان رکھتی ہے۔پیر کھیلتی ہے اور چڑھاوا چڑھاتی ہے۔بڑے بھائی کی زندگی امن وسکون سے بسر ہوتی ہے جب کہ چھوٹے بھائی کی زندگی بے اطمینانی اور بے سکونی میں گذرتی ہے۔ایک کا گھر جنت نما ہے تو دوسرے کا جہنم نما۔بڑے بھائی کو ایک اولاد نرینہ ہے جس کا نام امتیاز الدین احمد ہے۔امتیاز الدین پڑھا لکھا اور مہذب و شائستہ لڑکا ہے۔چھوٹے بھائی کی ایک لڑکی بسم اللہ ہے،،بسم اللہ جاہل اجڈ اور سخت مزاج ہے۔قصہ اسی طرح آگے بڑھتا ہے۔دونوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے گھر میں ہی رشتہ طے کر لیا، گرچہ امتیاز

الدین اور اس کی ماں کو یہ رشتہ پسند نہ تھا کیونکہ بسم اللہ تعلیم یافتہ نہ تھی اور اس کا مزاج بھی سخت تھا، لیکن دونوں نے اپنی خوشی کو محمد اعظم کی خوشی پر قربان کر دیا اور اس طرح رشتہ پختہ ہو گیا۔لیکن امتیاز الدین اپنی بیوی بسم اللہ سے تنگ آ گیا، اس نے اسے بہت سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن بسم اللہ کہاں ماننے والی تھی اس پر شوہر کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، الٹا شوہر کو ہی برا بھلا کہتی۔امتیاز الدین اپنی بیوی کے رویہ سے عاجز آ کر دوسری شادی کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے۔اور ایک تعلیم یافتہ مہذب لڑکی سے دوسری شادی کر لیتا ہے۔رحمت النساء اس کی زندگی میں رحمت بن کر داخل ہوتی ہے لیکن قصہ میں کوئی ڈرامائی عنصر پیدا نہیں ہوتا ہے۔رحمت النساء ایک مثالی خاتون ہے۔اس لئے اس کی خدمت، باورچی خانہ میں اس کی کارکردگی اور پکوان کے طریقوں اور نسخوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔میٹھے چاول، ماقوتی، باقر خوانی، شیر مال، کلچے، نان خطائی، بالوشاہی، پیڑی، دودھیا حلوا سوہن، اندرسے کی گولیاں، اندرسہ بنانے کے نسخے اور طریقے غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں۔اس سے کہانی کی دلچسپی ختم ہونے لگتی ہے اور قاری اکتاہٹ محسوس کرنے لگتا ہے۔مصنفہ نے جگہ جگہ قصے کی دلچسپی کو نظر انداز کیا ہے۔کمزور پلاٹ کہانی کی تاثیر اور افادیت کو نقصان پہونچاتا ہے۔ڈاکٹر اشرف جہاں''اصلاح النساء'' کے پلاٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''روایت سے استفادہ کرتے ہوئے مصنفہ نے کچھ غیر ضروری قول کو بھی کہانی کا حصہ بنانے کی کوشش کی ہے۔جس سے پلاٹ میں کمزوری آئی ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ داستان اور ناول کو ملا کر ایک نئے قسم کا پکوان بنایا گیا ہے۔اگر ذائقہ درست ہوتا تو بہت خوب ہوتا، لیکن یہاں تو تجربہ خام رہ گیا اور پلاٹ میں جھول بھی پیدا ہوا۔مصنفہ نے قصہ کو طویل کرتے ہوئے اصلاح النساء کا دوسرا حصہ بھی شامل کیا ہے۔اور اس میں بھی وہی داستانوی اثر حاوی ہے۔فنی لحاظ سے ناول کا قصہ اور پلاٹ دونوں کمزور ہیں۔''(۲۱)

کردارنگاری

یوں تو اس ناول میں بہت سارے کردار ہیں۔لیکن امتیاز الدین، بسم اللہ، بسم اللہ کی ماں اور وزیرن کے کردار مرکزی اور اہم ہیں۔محمد اعظم، محمد معظم، رحمت النساء، لاڈلی، نذیر اعظم، سردار دلہن کے کردار ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

محمد معظم کی اکلوتی بیٹی بسم اللہ مرکزی کردار ہے۔اسے مصنفہ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔یہ بگڑے ہوئے سماج کی پروردہ اور نمائندہ کردار ہے۔بسم اللہ کا کردار اکبری کے کردار سے بڑی حد تک مماثلت رکھتا ہے۔بسم اللہ ناز و نخرے میں پلی بڑھی ایک اجڈ، بدمزاج اور پھوہڑ لڑکی ہے۔ناخواندہ اور جاہل ہے۔اپنے چچازاد بھائی امتیاز الدین سے رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئی۔بیاہ کر جب سسرال آئی تو یہاں کا ماحول اسے بالکل پسند نہیں آیا۔کیونکہ اس کی پرورش و پرداخت ایک ایسے ماحول اور گھر میں ہوئی تھی جو بدعات وخرافات اور غلط رسم ورواج کا آماج گاہ تھا۔یہاں نہ ٹونے ٹوٹکے ہوتے تھے، نہ دعاء تعویذ اور نہ نذر و نیاز، بسم اللہ جس کی گھٹی میں یہ چیزیں پیوست ہوچکی تھیں، اسے یہ باتیں ناگوار معلوم ہوتی تھیں وہ ان چیزوں کی اسیر تھی۔اس لیے سسرال میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔اس نے اپنی ماں کو بلایا اور وہ سسرال والوں کی اجازت کے بغیر میکے چلی گئی۔بسم اللہ کا کردار فطری طور پر آگے بڑھتا ہے۔جیسے جیسے قصہ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے، پلاٹ آگے بڑھتا ہے، کردار میں بھی اسی اعتبار سے تبدیلی آتی رہتی ہے اور اس کے اوپر کے پردے ہٹتے جاتے ہیں۔کردار کی تبدیلیاں غیری فطری اور اچانک نہیں ہیں۔مصنفہ نے بسم اللہ کے کردار کو پیش کر کے سماج کو ایک اہم پیغام دینے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے اس کردار کو ایک عبرت اور نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ جہالت اپنے ساتھ بے شمار خرابیاں اور برائیاں لاتی ہے۔بدمزاجی، ہٹ دھرمی اور خودسری بربادی اور تباہی کے ذریعے ہے۔

بسم اللہ کا کردار عیوب سے بھرا ہوا ہے۔یہ خامیوں کا مجموعہ ہے۔بسم اللہ جاہل ہے، بدتمیز ہے،

بدمزاج ہے، بدسلیقہ ہے، شوہر کی نافرمان ہے، ماں کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی ہے، توہم پرست ہے۔اس کے کردار میں جذباتیت کا ہیجان ہے اور نہ عشق ومحبت کی چنگاری، غور و فکر کا مادہ ہے اور نہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے، کردار کا یہ کمزور پہلو ہے۔ اس سے کردار بے جان اور غیر متحرک معلوم ہوتا ہے۔یہ کردار انسانی جمالیات اور نفسانی کیفیات سے یکسر خالی ہے۔اس کے کردار میں ایک ڈرامائی موڑ تب آتا ہے جب بسم اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور اپنی تباہی و بربادی کا ذمہ دار خود کو قرار دیتی ہے۔بسم اللہ کے تئیں نفرت وحقارت کے جو جذبات پیدا ہوگئے تھے وہ اس موڑ پر آکر ہمدردی اور محبت میں بدل جاتے ہیں۔گناہوں کا اعتراف اور غلطیوں کا احساس برائیوں کو ڈھانپ دیتا ہے۔مصنفہ نے یہاں بسم اللہ کے کردار کو اس شکل میں پیش کیا ہے کہ بسم اللہ طبعاً اتنی بری نہیں ہے۔انسان فطرتاً برا نہیں ہوتا ہے، اس کا ماحول سماج اور ارد گرد کے لوگ اسے اچھا یا برا بنا دیتے ہیں۔ساری خرابیوں کی جڑ بسم اللہ نہیں بلکہ اس کی ماں ہے۔اس کے علاوہ محلے کی دوسری عورتیں جو ہر وقت گھر میں گھسی رہتی ہیں، ان سبھی کے اثرات نے بسم اللہ کے کردار کو خراب کیا ہے۔انسان جس ماحول میں سانس لیتا ہے، جن کی صحبت میں زندگی کی صبح و شام بتاتا ہے، اس کے اثرات کو قبول کرتا ہے۔بسم اللہ کو شروع سے ہی ایسی عورتوں کی صحبت ملی جن کے ایمان وعقائد خراب تھے۔جب وہ بہار شریف جاتی ہے تو وہاں بھی اسے ایسی ہی عورتوں کی صحبت میسر آتی ہے جس کے سبب اس کے غلط عقائد اور پختہ ہوجاتے ہیں۔

مصنفہ نے بسم اللہ کے کردار کے ذریعہ لڑکیوں کی اصلاح کی سمت ایک بہتر قدم اٹھایا ہے۔چونکہ ان کا بنیادی مقصد لڑکیوں کی اصلاح اور تعلیم و تربیت ہے۔وہ جہالت اور برائیوں کو دور کرنا چاہتی ہیں۔اس لئے انہوں نے اس کردار کے ذریعہ یہ پیغام دیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔بسم اللہ کے کردار کی خرابیاں دراصل جہالت کے سبب ہیں اور جہالت کی وجہ تعلیم کا فقدان ہے۔

امتیاز الدین کا کردار اس ناول کا دوسرا بنیادی اور اہم کردار ہے۔باوجود اس کے کہ ناول میں محمد امتیاز الدین کی پوری زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے، لیکن اس کی پوری زندگی جوش وخروش سے خالی اور پھیکی معلوم ہوتی ہے۔امتیاز الدین کے واقعات کردار کو نمایاں کرنے کے بجائے ناول نگار کے مقصد کو بیان کرتے ہیں۔امتیاز الدین اس ناول کا ہیرو ہے۔لیکن اس کی زندگی میں نہ حرارت ہے اور نہ گرمی۔وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے، لیکن اکلوتے بیٹے کی جو خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں وہ اس میں نہیں ہیں۔ناز و

نخرے، چھل کپٹ، جوش و جذبہ، تیزی وگرمی، جواں مردی، جاں بازی، بہادری جیسے اوصاف مفقود ہیں۔وہ نہایت مہذب،شریف، پرہیزگار، اطاعت شعار، فرماں بردار، باشعور اور عقل مند ہے۔وہ والدین کی خوشی پر اپنی خوشی کو قربان کر دیتا ہے۔ جب اس کے والد اس کا رشتہ اپنے بھائی محمد معظم کی بیٹی سے طے کر دیتے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ اس رشتہ کو ناپسند کرتا ہے، لیکن پھر بھی قبول کر لیتا ہے۔لڑکا شرعی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن والد کی خواہش پر عرفی بارات کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ والدین اور بڑے بزرگوں کے سامنے منہ کھولنا بے ادبی خیال کرتا ہے۔اس کی بیوی اجڈ اور بدتمیز ہے۔ ہر بات پر اس سے اختلاف کرتی ہے لیکن یہ اس کا کوئی جواب نہیں دیتا ہے۔کسی بات پر تکرار نہیں کرتا ہے۔وہ ایک وفا شعار شوہر کی طرح اس کی ہر بات مانتا ہے اور اس کے ساتھ نباہ کئے جاتا ہے۔اس کی شرافت اور نیکی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے۔امتیاز الدین اپنی بیوی بسم اللہ کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن وہ کسی طرح شوہر کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہے۔الٹا اسے دوسری شادی کا طعنہ دیتی ہے۔ پھر بھی اس کی فطری شرافت باقی رہتی ہے۔لیکن جب بات کسی صورت بنتی نظر نہیں آتی ہے تو وہ رحمت النساء سے دوسری شادی کر لیتا ہے۔ جب یہ خبر بہار شریف پہونچتی ہے تو دونوں ماں اور بیٹی بہت روتی اور پیٹتی ہیں اور عظیم آباد روانہ ہو جاتی ہیں۔بسم اللہ یہاں آ کر اسے بہت ذلیل اور رسوا کرتی ہے امتیاز الدین کو سسر کے انتقال کے بعد ساس نے جو مختار نامہ اور جہیز بنا کر دیا تھا بسم اللہ اسے واپس کرنے کو کہتی ہے۔ امتیاز الدین بغیر کسی جبر و کراہ کے مختار نامہ واپس کر دیتا ہے لیکن اس کے دل پر کوئی میل نہیں آتا ہے۔حد تو تب ہو جاتی ہے جب ایک مجاور کے کہنے پر ساس اور بیوی دونوں مل کر اسے الو کا گوشت کھلانے کی ترکیب اپناتی ہیں۔امتیاز الدین کو اس کی اطلاع ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ کچھ نہیں کہتا ہے اور سرزنش کرنے سے بچتا ہے۔

امتیاز الدین ناول کا ہیرو ہے، لیکن اس کے کردار کو بھرپور ابھرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔امتیاز الدین شریف، سمجھدار اور عقل مند ہے لیکن والدین کے سامنے لاچار و مجبور ہے ۔اس کے اندر معاشرہ کے خلاف آواز اٹھانے کی طاقت نہیں ہے، برائیوں سے لڑنے کی صلاحیت نہیں ہے، حالات سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں ہے، وہ گھر، خاندان اور سماج کی برائیوں، خرابیوں، کمیوں، کوتاہیوں، بدعات، خرافات اور جاہلانہ رسم و رواج کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور بس دل ہی دل میں کڑھتا ہے، زبان سے صرف لاحول

ولا قوۃ پڑھتا ہے۔ ہیرو کا کردار جوش اور ولولہ سے بھرپور ہونا چاہئے۔لیکن یہاں ناول نگار نے کردار کو پھیکا کر دیا ہے۔ ماحول کی عکاسی اور رسم و رواج کے بیان میں ہیرو کے کردار کو دبا دیا گیا ہے۔رشیدۃ النساء نے اس کردار کے صرف ایک رنگ کو پیش کیا ہے جس میں صرف اچھائیاں اور نیکیاں ہیں۔حالانکہ کردار کی یہ خوبیاں بھی ارتقا پذیر نہیں ہیں۔ چونکہ مصنفہ کا مقصد جہالت اور بدعات پر روشنی ڈالنا ہے۔اس لئے انہوں نے ایسے کردار کو پیش کیا ہے جس کی سیرت و اخلاق سے لوگ متاثر ہو سکیں۔کردار میں ایک جگہ جوش اور گرمی دیکھی جاتی ہے۔جب بسم اللہ بہار شریف سے امتیاز الدین کو خط لکھتی ہے کہ تمہارے باپ نے خط لکھا ہے کہ اگر نہ آؤ گی تو نقصان ہوگا، میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا نقصان ہوگا؟ اگر دوسری شادی کرنی ہے تو کر لو۔امتیاز کو خط پڑھ کر بہت صدمہ اور غصہ آیا۔اس کے ردعمل کے طور پر وہ دوسری شادی کر لینے پر رضامند ہو جاتا ہے۔یہی ردعمل اس کی شخصیت کا اہم پہلو ہے۔امتیاز الدین کے کردار میں ناول نگار نے بہت سی خوبیوں اور اچھائیوں کو نمایاں کیا ہے، تا کہ جہالت زدہ معاشرہ پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہو سکیں۔اس لئے اس کے کردار کو بہترین اور اچھا بنا کر پیش کیا ہے۔مقصدیت نے ہیرو کے کردار کو متاثر کیا ہے۔فنکاری اور ہنرمندی کا مظاہرہ کر کے اس کے کردار کو مزید جاندار اور مثالی بنایا جا سکتا تھا۔

اس ناول کا ایک اور اہم کردار بسم اللہ کی ماں ہے۔اس کا نام منیری بیگم ہے۔ یہ محمد معظم کی بیوی ہے۔کہانی میں اس کی حیثیت بھی مرکزی ہے۔ یہ ساری خرافات اور رسمیات کی دلدادہ ہے۔ جہالت اور توہم پرستی اس کے رگ و ریشہ میں داخل ہے، پیر کھلاتی ہے، ٹونے ٹوٹکے پر عقیدہ رکھتی ہے۔ پیر، فقیر، جن، پری اور دعاء تعویذ پر ایمان رکھتی ہے۔وہ بدسلیقگی اور بدانتظامی کا مجموعہ ہے۔فضول خرچی کرتی ہے، شوہر سے سختی سے بات کرتی ہے، اسے سخت سست کہہ دیتی ہے، گالی گفتہ پہ اتر آتی ہے۔میاں نے اگر آہستہ بولنے کی نصیحت کی تو وہ اس سے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔اس کا سارا دن جھگڑوں اور ٹونے ٹوٹکے کی باتوں میں گذرتا ہے۔خانہ داری کی چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے، گھر کا انتظام انا، مغلانی اور باورچی سے کرواتی ہے، میاں کو وقت پر کھانا پینا نہیں دیتی ہے۔ جہالت کا یہ عالم ہے کہ قرآن شریف تک پڑھنا نہیں آتا ہے۔ دین و ایمان سے نابلد ہے، نماز روزہ تک نہیں جانتی، اگر روزہ رکھتی بھی ہے تو سوا پہر کا روزہ، حضرت مشکل کشا کا روزہ، خواجہ خضر کا روزہ، بی بی نور کا روزہ اور وہ سب روزے جو بالکل جائز نہیں ہیں۔ دن رات پیر کھلاتی ہے، پیر اس کثرت سے ہیں کہ خدا کی پناہ شیخ سدو، زین خاں، شاہ دریا، شاہ

سکندر، تقتو جنات، تقتو جنات، لال شہزادہ، ننھے میاں، جعفر جن، خونی شہید، لال پری، سبزی پری، خونی پری، تغا پری، چھوٹے صاحب، بڑے صاحب، دن رات اسی دھن میں رہتی ہیں، اس کے پاس اسی قسم کی بدعقیدہ عورتوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ اس کے عقائد کی وجہ سے پورے گھر کا ماحول خراب اور پراگندہ ہے۔ اپنی بیٹی بسم اللہ کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ نہیں دیتی ہے۔ وہ اس ماحول میں رہ کر اسی سانچے میں ڈھل کر خراب ہو جاتی ہے۔ جب اس کا شوہر بسم اللہ کی شادی امتیاز الدین سے طے کر دیتا ہے تو وہ اس لئے تیار نہیں ہوتی ہے کہ وہ شرعی شادی کرنا چاہتا ہے، پیرفقیر کو نہیں مانتا اور دعا تعویذ پر یقین نہیں رکھتا ہے، وہ میرے برابری کا نہیں ہے، رشتہ توڑنے کے لئے وہ سینکڑوں تدبیریں کرتی ہے، ٹونے ٹوٹکے ہوتے ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، بیٹھک ہوتی ہے اور ان واہیات میں پانی کی طرح پیسے بہائے جاتے ہیں۔ لیکن نسبت نہیں ٹوٹتی ہے، پھر بھی وہ ہوش کے ناخن نہیں لیتی ہے۔ نئی چال چلتی ہے، حاجی پور سے میر محمد واعظ کو بلوا لیتی ہے، تا کہ معاملہ کا کوئی حل تلاش کیا جا سکے۔ جب ان کے آنے کی اطلاع ملتی ہے تو بسم اللہ کی ماں میلا کچیلا کپڑا پہن کر کوٹھری میں جا بیٹھتی ہے، اور ان کے آنے کے بعد چیخ مار مار کر رونے پیٹنے لگتی ہے۔

بسم اللہ کی ماں اس معاشرہ کی نمائندہ کردار ہے جہاں جہالت اور توہم پرستی کا بول بالا ہے۔ بسم اللہ کی شادی جہالت زدہ معاشرہ کی شادی کی نمائندگی کرتی ہے۔ بسم اللہ کی ماں شادی میں ایسے ایسے امور انجام دیتی ہے جو جاہلانہ ہی نہیں بلکہ مشرکانہ بھی ہیں۔ شادی کے موقع پر بسم اللہ کی ماں کو اس وقت ایک نیا رنج پیدا ہو گیا جب شربت پلائی کے ساتھ گالی نہیں دی گئی۔ اور سمدھنوں کے گال میں صندل نہیں لگایا گیا۔ اس کی جہالت اور حماقت کا یہ عالم ہے کہ جب بسم اللہ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو اس کی ماں بجائے علاج کے نذر و نیاز کا سلسلہ شروع کر دیتی ہے، پیرانی بلائی جاتی ہے اور اس کے پیچھے اس قدر خرچ کرتی ہے کہ سارا پیسہ خرچ ہو جاتا ہے، آخر میں زیوروں کو فروخت کر کے پیروں کو نذرانے دیئے جاتے ہیں۔ بسم اللہ کے دو بچے یکے بعد دیگرے بیمار پڑتے ہیں لیکن دوا علاج کے بجائے دعا تعویذ اور نذر و نیاز کئے جاتے ہیں، چلہ کھینچا جاتا ہے، سینکڑوں تدبیریں اور ترکیبیں کی جاتی ہیں، جہاں تک ہو سکا جھاڑ پھونک سے کام چلایا گیا۔ درگاہ درگاہ چلے کھینچے گئے لیکن دونوں لڑکے مر گئے۔ لوگوں نے صلاح دی کہ لڑکی کو بہار شریف لے جایئے اور وہاں بڑی درگاہ پر چلے کھینچئے اور چھوٹی درگاہ میں کڑاہ ہے، وہاں لڑکی کو بیٹھایئے۔ جو کچھ بلا ہو گی جل جائے گی۔ بچے جینے لگیں گے۔ فائدہ تو اس کا کچھ نہ ہوا، البتہ امتیاز الدین نے دوسری شادی

کر لی، لیکن بسم اللہ کی ماں کی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں اور وہ ان حرکتوں سے باز نہیں آتی ہے۔

بسم اللہ کا کردار جاندار اور متحرک ہے۔ ناول نگار نے اس کردار کے توسط سے معاشرہ کی جہالت اور بدعت کو نمایاں کیا ہے۔ آج بھی ہمارے معاشرے اور سماج میں ایسی عورتیں ملتی ہیں جو ٹونے ٹوٹکے پر یقین رکھتی ہیں۔ جھاڑ پھونک پر عمل کرتی ہیں۔ پیر فقیر کا عمل کرتی ہیں، درگاہوں پر چلہ کھینچتی ہیں۔ جن پری وغیرہ کی پرستش کرتی ہیں۔ سینکڑوں جاہلانہ رسمیں اور تدبیریں کرتی ہیں، شرک و بدعت کا ارتکاب کرتی ہیں اور اس کو نجات کا ذریعہ سمجھتی ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ شرکیہ اعمال ہیں، جن سے ایمان میں بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا ہے، معاشرہ میں برائی پھیلتی ہے۔ اس طریقے نے مسلم معاشرہ کو شدید نقصان پہونچایا ہے۔ رشید النساء نے اس کردار کے ذریعہ پورے سماج کی خوبیوں اور خرابیوں کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ بتلانے اور دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ ایک عورت کی بدمزاجی کیا کیا گل کھلاتی ہے، جہالت اور بدعت سے، غلط رسم و رواج سے، جھاڑ پھونک سے، بے ہودہ تدبیروں اور ترکیبوں سے کس طرح گھر تباہ ہوتا ہے۔ جانی و مالی نقصان ہوتا ہے اور عاقبت الگ خراب ہوتی ہے۔ مصنفہ نے اس کردار کی روشنی میں ان باتوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بسم اللہ کی ماں کا کردار اس ناول کا ایسا کردار ہے جس کے گرد پورا قصہ گردش کرتا ہے۔ یہ کردار اپنے حرکت و عمل کی وجہ سے پورے ناول پر محیط ہے۔ اگر اس کردار کو ناول سے الگ کر دیا جائے تو ناول میں بہت کچھ باقی نہیں رہے گا۔ بسم اللہ جری ہے، بہادر ہے، فیصلہ لینے میں بے باک ہے، دبنے اور ڈرنے والی نہیں ہے، اس کی شخصیت بارعب ہے۔ اس کا ہر کردار جاندار اور نمایاں ہے۔

اصلاح النساء میں کردار کے لحاظ سے ایک بہترین کردار وزیرن کا ہے۔ یہ شروع سے آخر تک ناول میں موجود رہتی ہے اور ناول کو متحرک رکھتی ہے۔ وزیرن ایک مکار اور عیار عورت ہے۔ اس کا کام پیر کھلانا اور جاہل و ضعیف الاعتقاد عورتوں کو الو بنا کر لوٹنا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے بڑا رسا اور سازگار ذہن پایا ہے ۔ چونکہ بسم اللہ کی ماں ضعیف الاعتقاد ہے، اس لئے وہ اس کے پورے گھر میں بری طرح دخیل ہے۔ بسم اللہ کے گھر میں جب کسی کی شادی ہوتی ہے، کسی کی طبیعت خراب ہوتی ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے، بچہ بیمار ہوتا ہے، کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آتا ہے تو فوراً وزیرن بلوائی جاتی ہے۔ اگر کوئی تکلیف کسی لڑکی کو ہے تو اس پر جعفر جن اور دوسرے جنوں کا قبضہ بتایا جاتا ہے اور اگر یہ تکلیف کسی لڑکے کو ہے تو اس پر جن کی بیٹی اور دل

پھینک پر یوں کا قصہ بتایا جاتا ہے۔اسی طرح وہ نت نئے چال چلتی ہےاور نئے نئے انداز تراشتی ہےاور بسم اللہ کی ماں سے زیادہ سے زیادہ پیسہ اینٹھتی ہے۔ وہ بات بات پر پیروں کے حضور نذرانے چڑھانے کا مشورہ دیتی ہے،بسم اللہ کی شادی میں ہزاروں روپیہ پر ہاتھ صاف کر لیتی ہے۔ یہاں تک کہ بسم اللہ کی ماں کا زیور تک بکوادیتی ہے۔اسی کے کہنے پر بسم اللہ اوراس کی ماں بہار شریف جاتی ہےاور چلہ کھینچتی ہے، شوہر سے دوری پیدا کرنے میں وزیرن کا زبردست ہاتھ رہتا ہے۔

وزیرن ایک نمائندہ کردار ہے۔جس کے سہارے قصہ آگے بڑھتا ہے۔ناول کوایک خاص رنگ اور جہت دینے میں اس کا کردار سب سے اہم ہے۔ وہ ایک مفاد پرست اور خودغرض عورت ہے،بسم اللہ اور اس کی ماں کے گھر کوتباہ و برباد کرنے کے پس پردہ اسی کا ہاتھ ہے۔حالانکہ وہ اپنے آپ کواس گھر کا خیر خواہ اور ہمدرد بتاتی اور جتاتی ہے۔اسی کے مشورہ سے بسم اللہ بہار شریف چلی جاتی ہےاور وہاں سے بسم اللہ کو امتیاز الدین کے نام ایسا خط لکھواتی ہے جواس کی زندگی میں اہم موڑ ثابت ہوتا ہے۔امتیاز الدین دوسری شادی کر لیتا ہے۔ وزیرن خوش ہوتی ہے کہ اس کی چال درست ثابت ہوئی اب اسے مزید بے وقوف بنانے اور پیسہ کمانے کا موقع ملے گا۔بسم اللہ اوراس کی ماں اس کی چال میں بری طرح گرفتار ہیں۔

وزیرن کا کاروباراسی طرح زورشور سے محمد معظم کی دوسری نسل تک چلتا رہا،لیکن تیسری نسل میں آ کر اس خاندان میں ایک پڑھی لکھی عورت سردار دلہن بہو بن کر آتی ہے، وہ وزیرن کی حرکت کو بھانپ لیتی ہے کہ یہ کس طرح جاہل عورتوں کواپنا شکار بناتی ہے، وہ ان کی ساری چال بازیوں کومحسوس کرتی ہے لیکن کوئی سخت قدم نہیں اٹھاتی ہے،البتہ موقع بہ موقع اسے سمجھانے کی اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرتی ہے۔ وزیرن کا کردار ناول کی زندگی کی حرارت کو تیز کرتا ہے لیکن آخر میں وہ سردار دلہن کی قابلیت کے سامنے سرنگوں ہوجاتی ہے۔ اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے اور اس طرح عظیم آباد سے شر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔وہ اپنے برے فعل سے توبہ کرتی ہےاور حج پر روانہ ہوجاتی ہے۔

وزیرن کا کردار مرأۃ العروس کے کردار جّن سے مشابہہ ہے۔ جوایک ٹھگ عورت ہے۔ اکبری کو لوٹ لیتی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ جّن مراۃ العروس میں تھوڑی دیر کے لئے آتی ہےاور اپنا کام کر کے چلی جاتی ہے، وزیرن اس ناول میں شروع سے آخر تک رہتی ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کا کردار ناول میں ویلن کی کمی کو پورا کرتا ہے۔

ان کرداروں کے علاوہ کئی ثانوی کردار ہیں۔محمد اعظم اور محمد معظم ثانوی کردار کی حیثیت سے اپنا اپنا مقام تو رکھتے ہیں مگر کمزور کردار ہیں۔اپنی گھریلو زندگی میں بیویوں کے حکم کے پابند ہیں۔شریف اور عقل مند ہیں لیکن زندگی کی حرارت اورایک مرد کی بہادری کی حیثیت سے بے جان کردار ہیں۔ثانوی کرداروں میں رحمت النساء کا کردار سب سے جاندار ہے۔ یہ پڑھی لکھی مہذب اور نیک خاتون ہے۔سسرال کے گھر والوں سے تعلقات نبھانا اچھی طرح جانتی ہے۔شوہر کے غائبانہ میں امور خانہ داری کا انتظام سلیقے سے انجام دیتی ہے۔فضول خرچی نہیں کرتی ہے، کافی روپیہ بچالیتی ہے، اپنی دائی کی لڑکی گل چمن کو پڑھاتی ہے۔اپنی بیٹی اشرف النساء کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھتی ہے، امتیاز الدین کی زندگی میں یہ رحمت بن کر داخل ہوتی ہے۔اس کے سبب گھر میں سکون کا ماحول قائم ہوا تو امتیاز الدین نے سب ڈپٹی کا امتحان پاس کیا، اس طرح اسے نوکری مل گئی۔مصنفہ نے اس کردار کے توسط سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کن خطوط پر ہونی چاہئے۔ایک پڑھی لکھی عورت کس طرح گھر کو جنت نشاں بنادیتی ہےاورایک جاہل اور گنوار عورت کس طرح گھر کوجہنم نما بنادیتی ہے۔

اشرف النساء کا کردار بھی ثانوی کرداروں میں مثالی ہے۔ یہ رحمت النساء کی بیٹی ہے، ایثار وفا کا پتلا ہے۔تعلیم یافتہ ہے،کم عمری میں والدہ کا انتقال ہوجاتا ہے، جب اپنے دادیہال آتی ہے تو سوتیلی ماں بسم اللہ کے ساتھ رہتی ہے وہ اس سانحہ کوسعادت مندی کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔اپنے سوتیلے بھائی بہن کی تربیت میں حصہ لیتی ہے۔لیکن اس کردار میں نہ تو عشق کی چنگاری ہےاور نہ حسن کی جادوگری ہے۔ محبت کی گرمی ہےاور نہ زلفوں کی چھاؤں ہے۔بس ایک مسکراتی زندگی ہے۔شخصیت میں دلکشی ہےاور نہ اداؤں میں دل ربائی، وہ ناول نگار کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن کر رہ گئی ہے۔لاڈلی اور نذیر اعظم کے کردار بھی جانداراور مثالی ہیں۔لیکن غیر دلچسپ اور یک رخے ہیں۔

ناول کے دوسرے حصے میں نذیر اعظم کی شادی اوران کی دلہن سردار دلہن کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ سردار دلہن اس ناول کا وہ اہم کردار ہےجس کے ذریعہ ناول نگار نے اپنا ناول مکمل کیا ہے۔سردار دلہن پڑھی لکھی قابل خاتون ہے۔اس کی شادی نذیر اعظم سے ہوتی ہے۔ یہ جب بہو بن کر آتی ہے تو بہت جلد گھر کے ماحول کو بھانپ لیتی ہے۔اسے وزیرن کی مکاری وعیاری کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ یہ گھر کے ماحول کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے۔اور بجائے سختی کے نرمی سے پیش آتی ہے۔وعظ ونصیحت کرتی ہے۔اس کی وجہ

سے بسم اللہ، اس کی ماں منیری بیگم اور وزیرن کے عقیدے میں تبدیلی آنی شروع ہوتی ہے۔ آخر کار ایک وقت ایسا آتا ہے جب سردار دلہن کے آگے وزیرن اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیتی ہے۔ اپنی حرکتوں سے باز آتی ہے اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار کرتی ہے اور زندگی بدلنے کے لئے حج پر روانہ ہوجاتی ہے۔

اصلاح النساء کے کرداروں میں فنی اعتبار سے جو کمزوری اور خامی نظر آتی ہے یہ اُس دور کے لحاظ سے ہے۔ کرداروں کا ارتقا تدریجی اور فطری نہیں ہے۔ ان میں یک رخاپن اور نامکمل نقوش ہیں۔ ان میں المیاتی اور ڈرامائی عنصر نہیں ہے۔ مقصدیت پر کردار حاوی ہے۔ کرداروں کی زندگی پھیکی ہے اور واقعات غیر دلچسپ ماحول میں آگے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ رشید النساء نے جس عہد میں ''اصلاح النساء'' تخلیق کیا، اس عہد کے ناولوں کا یہی معیار تھا۔ انہوں نے ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''مراۃ العروس'' کا اثر قبول کیا، یہ ناول نگاری کا ابتدائی عہد تھا، لہٰذا اگر اس دور کو سامنے رکھیں تو یہ کردار نگاری بھی اہم نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر آصفہ واسع کی رائے ملاحظہ کیجئے:

''ادب عالم کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے نیز ان بلندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے جہاں تک اردو ناول نگاری پہونچی ہے۔ رشیدۃ النساء کی کردار نگاری معمولی درجہ کی نظر آتی ہے۔ اس دور کے ناولوں کا یہی حال تھا۔ معیاری ناولوں کا تصور واضح نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مصنفہ نے اپنے دور کے لحاظ سے اچھی خاصی کردار نگاری کی ہے۔ وہ جانداری، انفرادیت، گہرائی اور تاثیر نہیں ہے جن کا اظہار تجزیہ نفس کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ یہ خصوصیات اس دور کے ناولوں میں گویا نایاب ہیں۔ لیکن زمانہ اور عہد کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم ان کی حمایت سے انکار نہیں کرسکتے۔ عام طور پر ان کی کردار نگاری پر نذیر احمد کا اثر ہے۔ سارے کردار ابتداء میں ہی واضح ہوجاتے ہیں اور انہیں بنیادوں پر آگے بڑھتے ہیں۔ وہ فرشتہ ہوتے ہیں یا شیطان۔ (۲۲)

منظر کشی وفضا آفرینی

ناول میں فضا آفرینی اور ماحول نگاری کی اہمیت مسلم ہے۔ ''اصلاح النساء'' ماحول نگاری کے اعتبار سے ایک اہم ناول ہے۔ انسان جن ماحول و معاشرت میں زندگی بسر کرتا ہے، جن فضاؤں میں سانس لیتا ہے اس کا اثر حیات انسانی پر پڑنا لازمی ہے۔ کردار اور واقعات بھی انہیں ماحول و معاشرت سے غذا کشید کرتے ہیں۔ اس لیے ناول کے کردار اور واقعات کے ساتھ ساتھ فضا آفرینی بھی دلچسپ اور دلفریب ہونی چاہئے۔ ناول نگار نے متوسط مسلم گھرانے کا ماحول پیش کیا ہے۔ ایک جانب انہوں نے جہالت، ناخواندگی، تعلیم کی کمی کے نقصانات کو بیان کیا ہے تو دوسری جانب تعلیم کی اہمیت اور اس کی افادیت کو ظاہر کیا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے محمد اعظم اور محمد معظم دو بھائیوں کے گھر کے ماحول کو دکھلایا ہے۔ محمد اعظم کے گھر کا ماحول دینی، مذہبی اور تعلیمی ہے۔ ان کی بیوی نیک، شریف، صالح، دین دار اور سلیقہ مند ہے۔ ہر روز صبح اٹھ کر نماز پڑھتی ہے، وظیفہ پورا کرتی ہے، ماما اصلیوں کو اٹھاتی ہے اور کھانے پکانے کی تیاریوں میں مشغول ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس محمد معظم کے گھر کا ماحول دینی اور مذہبی نہیں ہے۔ اس کی بیوی بدمزاج اور بدسلیقہ ہے۔ خرچ بے حساب کرتی ہے، کھانا کھانے اور پکانے کا نہ کوئی ٹائم ہے اور نہ کوئی سلیقہ۔ صبح کو روزانہ بازار سے کچوری، مٹھائی، کلچہ وغیرہ منگوا کر پیٹ بھرلیتی ہے۔ جہالت کا یہ حال ہے کہ قرآن شریف تک پڑھنا نہیں آتا ہے۔ دین وایمان سے نابلد ہے۔ روزہ نماز تک نہیں جانتی ہے۔ مصنفہ نے دونوں گھر کے ماحول کی بہترین منظر کشی کی ہے۔ جزئیات نگاری پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ جس سے دونوں طرح کی معاشرت کی پوری تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ مصنفہ کو جزئیات نگاری میں کمال اور مہارت حاصل ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات کی تصویر کشی اس انداز سے کرتی ہیں کہ سارا منظر نگاہوں میں متحرک ہوجاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

امتیاز الدین اور بسم اللہ کی شادی کا ماحول جب بیان کرتی ہیں تو ایک ایک چیز کی پوری تفصیل بیان

کرتی ہیں۔ مانجھے کی رسم کی ماحول نگاری یوں کرتی ہیں: جمعہ کے دن تین بجے تک بسم اللہ کی ماں کے گھر مہمانوں کا ہجوم ہوگیا، گانے والیاں آئیں، گانا بجانا شروع ہوا، لڑکی مانجھے بٹھائی گئی، بسم اللہ جس قدر زیور پہنے تھی سب اتار دیئے گئے، سہاگنوں نے انہیں اپنے گال سے چھوا کر بسم اللہ کو لگایا، داہنے ہاتھ میں کنگنا باندھا گیا۔ گویا ایسی فضا آفرینی کی گئی ہے کہ مانجھے کی رسم کا سارا منظر نظروں کے سامنے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دولہا کے مانجھے کا نقشہ یوں بیان کیا گیا ہے:

''ایک کشتی میں دولہا کے لئے مانجھے کا جوڑا تھا، زرد رنگ کا انگرکھا، مشروع کا پائجامہ، زرد کرتا، سرخ رنگ کا رومال جس کے چاروں طرف گوٹا لگا ہوا، زری کی ٹوپی، زر کا جوتا بھاری کام کا۔ یہ سب چیزیں ایک کشتی میں تھیں اور پھول، چنگیز، طرہ، بدھی اور ہار تھے۔ یہ سب چیزیں نہایت عمدہ تورہ پوش سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ دوسری کشتی میں ایک تھالی چاندی کی، اس تھالی میں سات پنڈیاں، اس میں ایک زرد رنگ کا کنگنا تھا، کچھ کارچوبی کا کام کیا ہوا جو اسپند ورائی دے کر بنایا گیا تھا۔ اور اسی کشتی میں ایک دوسری تھالی میں سات بیڑے پان کے ورق نقرہ لگے ہوئے اور ایک کپی میں تیل چمبیلی کا جس کے منہ پر سرخ کپڑا گوٹا لگا ہوا بندھا تھا۔ یہ سب چیزیں رکھ کر ایک تورہ پوش کشتی پر ڈال دیا۔ اس کے سوا کچھ خوانچے اور تھے، جس میں گیارہ پسری پنڈیاں تھیں اور بہت سے خوانچے خالی تھے۔ ان میں تھوڑا چور مٹھائیوں کا ڈال دیا تھا، یہ سب زینت کے لئے تھے۔ باجے کے ساتھ مانجھا روانہ ہوا اور باجے بھی ایسے مہیب آواز کے جس سے دل دھڑک جائے اور کانوں کو تکلیف پہونچے۔'' غرض مانجھے کی تمام رسمیات اور جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔

مصنفہ کو جزئیات نگاری میں مہارت حاصل ہے، ایک عام انسان کی نگاہ جہاں تک نہیں پہونچ سکتی ہے، مصنفہ نے ان تمام باتوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ سمدھنوں کا استقبال کیسے ہوا؟ گالی گلوج کی رسم کیسے ادا ہوئی؟ کون سی گالی کس کو دی گئی؟ دولہا دروازہ پر آیا، تو کس گیٹ سے استقبال ہوا۔ گھر میں کہاں بیٹھایا گیا؟ آنگن میں کہاں کھڑا کیا گیا؟ دلہن کو کس طرح لایا گیا؟ حلوہ کس طرح دیا گیا؟ کون سا گیت گایا گیا۔ بارات کس طرح روانہ ہوئی، بارات جب دلہن کے دروازے پر پہنچی تو کس طرح آتش بازی ہوئی؟ جب دولہا کا گھوڑا دروازے پر پہنچا تو باجے والوں نے انعام کے لئے کس طرح روکا؟ دروازہ پر نوشہ کی کیسی عزت افزائی ہوئی؟ شربت پلائی کی رسم کیسے ادا ہوئی؟ غرض کون کون سی رسمیں ادا ہوئیں، ان سب باتوں کا نہ صرف ذکر کیا گیا ہے بلکہ بڑے دلچسپ انداز میں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ جس سے یوں

محسوس ہوتا ہے کہ سارا عمل نگاہوں کے سامنے انجام پا رہا ہے۔

اسی طرح ناول نگار نے ٹونے ٹوٹکے، پیر، فقیر، چلہ اور ضعیف الاعتقادی کی باتوں کی تفصیل پیش کر کے جہالت زدہ معاشرت اور ناخواندہ اور بداعتقاد گھرانے کی تصویر کشی کی ہے۔ ناول نگار نے شادی بیاہ کے رسومات، گھر میں عورتوں کے خرافات اور جہالت و بدعت کے نت نئے انداز و طریقے کا ذکر تو کیا ہے لیکن گھر کی چہار دیواری کے باہر کی فضاؤں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان مناظر میں وہ حرکت اور نمو پذیری بھی نہیں ہے جو خالص منظر نگاری کے لئے ہونی چاہئے۔ ان تمام مناظر میں ایک خاص ماحول اور فضا کی منظر کشی کی گئی ہے۔ محمد سلمان صدیقی تحریر کرتے ہیں:

> ''اصلاح النساء میں شروع سے آخر تک ایک ہی ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ انداز بیان ایسا دلچسپ ہے کہ اس کے پڑھنے سے جی نہیں اکتاتا، ٹونے ٹوٹکے، رسم رسومات، بدعقیدگی، توہم پرستی، ماماؤں کا دور دورہ، ملا صاحب اور پنڈت جی کی خاطر تواضع جو غیر تعلیم یافتہ گھروں میں عموماً ہوا کرتی ہے، ان سب چیزوں کی لفظی تصویر کچھ اس طور سے پیش کی گئی ہے کہ جو لوگ ان چیزوں سے بالکل نابلد ہوں، انہیں بھی ''اصلاح النساء'' کے مطالعہ سے ان باتوں کی واقفیت حاصل ہو جا سکتی ہے۔'' (۲۳)

''اصلاح النساء'' کا پلاٹ کمزور اور ڈھیلا ڈھالا ہے۔ داستانوی انداز بیان نے قصے کے پلاٹ کو کمزور اور ڈھیلا کر دیا ہے۔ رسم و رواج کی تفصیلات اس قدر ہیں اور اس کی طوالت اتنی ہے کہ پلاٹ کی آثر آفرینی کم ہو جاتی ہے۔ رسم و رواج کے پنجرے میں مقید زندگی غیر دلچسپ ماحول میں آگے بڑھتی ہے۔ اس میں امور خانہ داری اور گھر کی محدود زندگی کی پرچھائیاں پلاٹ کو بے جان بنانے میں معاون معلوم ہوتی ہیں۔ رحمت النساء کی ناگہانی موت ایک سانحہ معلوم ہوتا ہے، رحمت النساء اور بسم اللہ کے دونوں بچوں کی موت کہانی کو المیہ بنا سکتی تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہونے دیا گیا ہے۔

''اصلاح النساء'' کا قصہ تدریجی طور پر آگے بڑھتا ہے، لیکن بیچ بیچ میں رسومات اور بدعات کی غیر ضروری طوالت پلاٹ کو ڈھیلا کر دیتی ہے۔ مٹھائیوں، پکوان اور کھانا پکانے کے نسخے بہت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں جن کا نفس کہانی سے کوئی علاقہ نہیں ہے، یہ حصہ بالکل غیر ضروری ہے، پلاٹ کے اعتبار سے ناول گرچہ فنی معیار پر پورا نہیں اترتا ہے لیکن اس میں ہمیں اپنے ماحول و معاشرت اور سماج کا عکس ملتا

ہے۔ پلاٹ کی بندش اور کردار و واقعات میں مکمل ہم آہنگی پر مصنفہ اگر توجہ مرکوز کرتیں تو ناول کا پلاٹ مزید چست اور جاندار ہو سکتا تھا:

''پلاٹ کی بندش پر مصنفہ نے توجہ نہیں دی ہے، سب سے اہم واقعہ اس میں بسم اللہ کی شادی ہے۔ شادی کے بیان میں اتنی طوالت ہے کہ پلاٹ کا تصور قائم نہیں ہوتا، سماجی واقعات میں اصلاحی مقاصد پوشیدہ ہیں۔ ان واقعات کو کردار جنم نہیں دیتے۔ مصنفہ بیان کرتی جاتی ہیں جن میں ربط تو ضرور ہے لیکن ہم آہنگی اور تنظیم نہیں۔ پلاٹ اس وقت کامیاب بنتا ہے جب کردار اور واقعات میں مکمل ہم آہنگی نظر آئے۔ بلکہ واقعات کردار کی خصوصیات اور حرکات کا نتیجہ معلوم ہوں، اس ناول میں یہ کیفیت نظر نہیں آتی ہے''۔ (۲۴)

اسلوب بیان

اسلوب بیان یا طرز اظہار وہ فن ہے جس کے سہارے فنکار اپنے تجربات، احساسات اور خیالات کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ کسی بھی چیز کی موثر، دلچسپ اور دل پذیر انداز میں پیشکش کا نام اسلوب ہے۔ پیشکش کا انداز و اسلوب ہی فن کو بلند یا پست کرتا ہے۔ داستان ہو یا ناول، مکالمہ ہو یا کردار، فضا آفرینی ہو یا منظر کشی، اس کی کامیابی اور ناکامیابی کا انحصار بہت حد تک اسلوب و طرزِ ادا پر ہے۔ اسلوب کو اپنے موضوع سے ہم آہنگ اور مربوط ہونا چاہئے۔ ''اصلاح النساء'' میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ ناول کی زبان موضوع اور کردار سے ہم آہنگ اور ہم آمیز ہے۔ بنیادی طور پر یہ ناول عورتوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس کا مقصد عورتوں کو تعلیم یافتہ اور مہذب بنانا ہے۔ سماجی برائیوں کو دور کرنا اور جہالت کے دروازے سے آنے والی بدعت و خرافات کو دور کرنا ہے۔ اس لئے سادہ، آسان اور عام فہم طرز بیان کو راہ دی گئی ہے۔ روزمرہ کے واقعات اور حالات کو بیان کرنے کے لئے روزمرہ کی زبان استعمال میں لائی گئی ہے، ناول کے مسائل و معاملات زیادہ تر عورتوں سے متعلق ہیں، اس کی رعایت کرتے ہوئے عورتوں کی زبان اور محاورے کو ترجیح دی گئی ہے۔

اصلاح النساء کی زبان ثقیل، پے چیدہ اور مُعّرب نہیں ہے۔ نہایت آسان اور عام فہم انداز و اسلوب میں کہانی اور مکالمات بیان کئے گئے ہیں۔ عورتوں کی اصلاح، سماج کی رہنمائی اور گھر کے لوگوں کی تفہیم کے لئے سب سے مناسب اور موثر گھر کی زبان یعنی عام فہم زبان ہوتی ہے۔ آرائش اور پر تکلف عبارت جہاں صداقت اور حقیقت کی اثر آفرینی اور دل پذیری کو کم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے وہیں وہ عام لوگوں کی فہم سے باہر بھی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس سے قاری الفاظ اور عبارت کے پیچ وخم میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور عبارت کے پیچھے جو تاثر اور مقصد کارفرما ہوتا ہے، وہ اوپر سے گذر جاتا ہے۔

مصنفہ نے ''اصلاح النساء'' میں آج سے سو سال قبل عظیم آباد کے مسلم معاشرہ کی جو تصویر بیان کی ہے، وہ بہت دلچسپ ہے۔ اس وقت معاشرہ کی جو تہذیب و ثقافت تھی، خرابیاں اور برائیاں تھیں، شرکیہ بدعات و خرافات تھے، جاہلی رسوم و رواج تھے، اس کو نہایت موثر اور خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے لئے وہ تعبیر اختیار کی گئی ہے جو اس سے ہم آہنگ ہو، وہی زبان لائی گئی ہے جو اس کے مطابق ہو، کردار اور مکالمے کی پیشکش میں بھی اس بات کا لحاظ کیا گیا ہے۔ البتہ ہر جگہ ناول نگار نے مقصد کو مقدم رکھا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مدعا اور مقصد تو ہر جگہ واضح اور عیاں ہوتے چلے جاتے ہیں، تاہم زبان و بیان کا حسن کمزور ہو جاتا ہے۔ زبان و بیان کی سادگی ''اصلاح النساء'' کا حسن بھی ہے اور قبح بھی۔

ادیب سہیل نے بہت صحیح لکھا ہے:

''اصلاح النساء میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ نہ تو مفرس و معرب ہے، نہ اس میں سرشار و شرر کی سی انشاء پردازی ہے۔ نہایت سلیس اور عام فہم انداز تحریر میں ناول کی کہانی اور مکالمات بیان ہوتے چلے گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں زبان کی یہ وہی سادگی ہے جس کے لئے آگے چل کر بابائے اردو مولوی عبدالحق نے وکالت کی اور عمر بھر خود بھی اسے برتتے رہے۔'' (۴۵)

''اصلاح النساء'' کا طرز بیانیہ ہے، البتہ بہت سے مقامات پر مکالمہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ مکالمے دلچسپ ضرور ہیں، لیکن طویل اور لمبے مکالمے اثر آفرینی کو کمزور کرتے ہیں۔ مکالمے کا رنگ اصلاحی اور تبلیغی ہے۔ ناول نگار نے مکالمے کے ذریعہ اس چیز کو اہمیت دی ہے جس سے مقصد کی تحصیل ہوتی ہے۔ یعنی جہالت کی خرابی اور برائی اور علم کی اہمیت و افادیت اجاگر کی گئی ہے۔ بسم اللہ اور امتیاز الدین کی جب تک شرعی شادی کی بات تھی اور عرفی شادی طے نہیں ہوئی تھی، بسم اللہ کی ماں اس کے لیے ہزاروں تدبیریں کرتی ہے، وہ وزیرن کے گھر جاتی ہے اور اس کے مشورہ پر مشرکانہ عمل کرتی ہے۔ بسم اللہ کی ماں اور وزیرن کے درمیان یہ مکالمہ بھی بہت خوب ہے۔ اس سے اس وقت کی معاشرت کا پتہ چلتا ہے کہ جاہل عورتیں دعا و تعویذ اور پیر و فقیر کے نام پر کس طرح مشرکانہ عمل کرتی تھیں اور پانی کی طرح پیسہ بہاتی تھیں۔

بسم اللہ کی ماں:۔ اے وزیرن آج کل میں بہت لاچار ہو رہی ہوں۔ کیا کہوں میری حالت پر بھی خیال چاہئے۔ میری طرف سے ہاتھ باندھ کر پیروں سے کہو کہ مجھ پر رحم کریں، خدا میرے دن پھیرے تو میں حاضر ہوں۔ اس وقت جو کچھ ہو سکتا ہے وہ قبول کریں، ہاں یہ بتاؤ کیا کیا ہونا چاہئے؟

وزیرن:۔ اتنا ہونا تو ضرور ہے، چاروں بھائی شیخ صاحب کے بکرے، سید احمد کبیر صاحب کی گنی، کاسنی جوڑے والے بڑے صاحب، چھوٹے صاحب زعفر جن، تقتو جنات کے شہانے جوڑے اور ساتوں پریوں کے شہانے جوڑے تاش کے اور اس کے علاوہ دوسروں کا تو معمولی نیاز نجر ہو جائے گا۔

بسم اللہ کی ماں:۔ اس میں کتنا خرچ ہوگا؟

وزیرن:۔ بیگم صاحب پان سو سے کیا کم خرچ ہوں گے۔ میں نے یہ بہت کم کر کے کہا ہے۔

بسم اللہ کی ماں:۔ (وزیرن کی منتیں کر کے) وزیرن آج کل میرا ہاتھ خالی ہے۔ تم تو جانتی ہو کہ میاں مجھ سے کیسے بگڑے ہوئے تھے۔ خرچ بند کر دیا تھا، کل خرچ برچ کریم النساء کے ہاتھ میں تھا، میں ایک ایک پیسے کو حیران تھی۔ سینکڑوں روپے تو دعا تعویذ، فال گنڈے میں خرچ ہوئے اور سینکڑوں روپے اوجھوں اور برہمنوں کو دیئے گئے، جب اتنا ہوا، یہ سب روپے کہاں سے آئے؟ پوچھو مغلانی سے یہ سب روپے میاں کی چوری سے اپنے گہنے پر منگوائے اور خرچ کئے۔ آخر لاچاری درجے کو میں کیا کرتی۔ اب گہنوں کا بھی چھڑانا تو ضروری ہے یا نہیں؟

وزیرن:۔ (بہت سست آواز سے) جی ہاں۔

مکالمے کی زبان دلچسپ اور کردار کے عین مطابق ہے۔ وہی الفاظ، محاورے اور جملے لائے گئے ہیں جو جاہل اور پیر کھیلنے والی عورت کی ہو سکتی ہے۔ اصلاح النساء میں ہمیں کردار کا پہلا نمونہ وہاں ملتا ہے جب محمد اعظم اپنے بیٹے امتیاز الدین کا رشتہ اپنے بھائی محمد معظم کی بیٹی بسم اللہ سے طے کر لیتے ہیں، گھر آ کر اپنی اہلیہ سے بات کرتے ہیں۔ مکالمہ کا انداز ملاحظہ ہو۔

محمد اعظم:۔ کیوں کوئی لڑکی خیال میں نہیں آتی۔ گھر میں تو لڑکی موجود ہے، گھر کو چھوڑ کر باہر تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

امتیاز الدین کی ماں:۔ گھر کی لڑکی کون؟ یہی بسم اللہ تمہاری بھتیجی؟

محمد اعظم:۔ ہاں پھر اور کون ، یہ لڑکی کیا بری ہے، ماشاء اللہ صورت شکل سب اچھی ہے۔ اپنے ماں باپ کی ایک ہی لڑکی جن کو ہزار گیارہ سو روپے کی آمدنی اور اس کے سوا کوئی دوسرا وارث نہیں۔ نصیبوں سے ایسی نسبت اپنے کفو میں ملتی ہے۔

امتیاز الدین کی ماں:۔ دولت یا صورت یا شکل پر تم نہ جاؤ، کیا صرف دولت اور صورت ہی کا خیال

ہونا چاہئے، یا لڑکی کا تعلیم یافتہ بھی ہونا کوئی چیز ہے۔ اگر اس کا کچھ بھی خیال ہے تو تم خود جانتے ہو اس کی ماں کیسی ہیں۔ مشہور مثل ہے کہ جیسا سوت ویسی پھینٹی، جیسی ماں ویسی بیٹی۔

محمد اعظم:۔ آہا تم نے تو بڑی بحث نکالی، یہ لڑکی تو ابھی بچہ ہے۔ چودھواں سال ابھی شروع ہی ہوا ہے۔ تم خدا کے فضل سے اپنے گھر اس کو بیاہ کر لاؤ گی، ادب قاعدے سکھاؤ گی تو پھر سیکھ جائے گی۔ ابھی کیا گزرا ہے، کیا اب اس کی تعلیم نہیں ہوسکتی؟ میرے نزدیک اس کی تعلیم بخوبی ہوسکتی ہے، کیا شادی کے بعد اپنی ماں کے گھر بیٹھی رہے گی؟ محمد معظم نے مجھ سے ایسا اصرار کیا کہ مجھ سے آخر کو انکار نہ کیا گیا، میں تو کہہ چکا کہ لڑکا تمہارا ہے اور تم مالک ہو۔ اب میں کیوں کر انکار کروں، مجھ سے تو اب یہ نہیں ہوسکتا کہ زبان دے کر مکر جاؤں۔

امتیاز الدین کی ماں:۔ جب تم زبان ہی دے چکے ہو، تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو تمہاری تابعدار ہوں، ہاں جو کچھ میری عقل میں آیا، کہہ گزری، میں آخر عورت ہوں، میری عقل کیا، تم مالک ومختار ہو، تمہاری بات میں کیا عذر کرسکتی ہوں۔ لیکن ذرا امتیاز الدین سے پوچھ لینا چاہئے۔

''اصلاح النساء'' کے مکالمے عموماً طویل اور مقصدی ہوتے ہیں۔ عورت کی گفتگو میں اس کی کرداری خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہے، محمد اعظم کی بیوی سے وہی بات کہلوائی گئی ہے جو ایک اطاعت شعار بیوی کا شیوہ ہوتا ہے۔ اسی طرح لاڈلی اور سردار دلہن کے درمیان کا مکالمہ بڑا دلچسپ اور فطری ہے۔ لاڈلی کی زبان سے وہی گفتگو پیش کی گئی ہے جو عام جاہل قسم کی عورتیں کہتی ہیں۔ سردار دلہن لاڈلی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھتی ہے تو اس سے پوچھتی ہے۔ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتی ہیں؟

لاڈلی:۔ ہم کو بہت اسکت (کاہلی) ہے، اسی سبب سے نہیں ہوسکتی ہے۔

سردار دلہن:۔ نماز میں اسکت کیسی، اتنا دنیا کا کام کرتی ہو، اس میں وقت ملتا ہے اور نماز میں نہیں؟

لاڈلی:۔ ہم بڑے گنہگار ہیں، جب خدا میرے اتنے گناہ معاف کرے گا تو ایک نماز نہیں معاف کرے گا؟ اور میری نماز کیا، جب ہم پڑھنے جاتے ہیں تو ہم کو دنیا کی بات یاد آجاتی ہے۔

سردار دلہن:۔ معاف کرنے اور نہ کرنے کا تو اس کو اختیار ہے، مگر اس نے ہم لوگوں کو کہا ہے، اس کو کرنا چاہئے۔ ایسی نماز تو ہم لوگوں سے ہو نہیں سکتی کہ بالکل بے ہوش اور غرق ہوجائیں۔ ایسا تو ہونا مشکل ہے۔ ہم لوگوں کا جیسا ایمان ہے ویسی نماز بھی ہوگی۔

لاڈلی:۔ اللہ میری نماز کا محتاج نہیں ہے۔

مکالمے میں اصلاحی پہلو نمایاں ہے، نذیر احمد اور شاد عظیم آبادی کی طرح سلیس اور بامحاورہ زبان تو استعمال نہیں کی گئی ہے لیکن سادگی اور پرکاری کا عمدہ نمونہ ملتا ہے۔ مصنفہ نے موقع اور محل کی مناسبت سے علاقائی ضرب الامثال اور مقامی بولی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ کھپایا ہے۔ جس سے اسلوب میں چاشنی اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ مثال کے طور پر:۔

اس نے تو فتوفقیر کر دیا۔

میں تو سن کر کاٹھ ہوگئی۔

جاؤ گھر اگورو، ایسا نہ ہو کہ کوئی چیز چوری ہوجائے۔

جیسا سوت ویسی پھینٹی، جیسی ماں ویسی بیٹی۔

وزیرن نے دوسو روپے دیکھ کر ناک منہ چڑھائی۔

آنکھیں نیلی پیلی کر کے چلا اٹھی۔

تمہاری عقل پر پتھر پڑیں۔

تمہارا کیا قصور کیا تھا جو تم نے اوکٹ دیا۔

خدا اس نگوڑی سے سمجھے گا۔

چپ رہتے رہتے دم الٹنے لگا۔

نہ تم میری قبر میں جاؤ گی اور نہ میں تمہاری قبر میں جاؤں گی۔

میں دوزخی سہی تمہاری بلا سے۔

ایک چپ میں ہزار بلائیں کٹتی ہیں۔

خلق کے حلق کو کون روک سکتا ہے۔

بڑی عقل مند ہیں مردوں کے کان کاٹتی ہیں۔

رشید النساء نے اس ناول میں عظیم آباد کے لب ولہجہ کو خوبصورتی کے ساتھ برتا ہے۔ انہوں نے عظیم آباد اور اس کے گردنواح میں بولی جانے والی زبان، الفاظ اور محاورات کو استعمال میں لاکر طرز واسلوب میں کشش پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے، اس میں جابجا خامیاں

اور کمزوریاں بھی ہیں۔لیکن ایک خاتون نے اپنے ناول میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے جو طرز و اسلوب اختیار کیا ہے، اس سے مصنفہ کے مقاصد اچھی طرح واضح ہوتے ہیں۔ یہ اپنے آپ میں ایک غیر معمولی بات ہے۔ ناول میں استعمال ہونے والے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اب متروک ہو چکے ہیں، لیکن اس سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آج سے تقریباً ایک صدی قبل عظیم آباد کا عام لب ولہجہ کیا تھا؟ عام گفتگو میں لوگ کس طرح کے الفاظ اور محاورے استعمال کرتے تھے۔ ڈاکٹر آصفہ واسع ''اصلاح النساء'' کے اسلوب بیان پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کرتی ہیں:

> ''یہ ناول انشاپردازی کے لحاظ سے اعلیٰ نہیں۔طرز واسلوب ایک ذریعہ ہے خیالات کے اظہار کا۔ اس کا طرز بس اتنا ہی اہم ہے کہ وہ مصنفہ کے خیالات کو واضح کرتا ہے، انہوں نے مقامی اور علاقائی زبان کے اکثر الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جیسے کا جل پارنا، پیروں کا آدرمان، اب پاپارہ ہے، سارا کارخانہ ہڑلو ہو گیا وغیرہ۔ زبان میں جابجا خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔لیکن ان خامیوں کو ہمیں نظر انداز کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اس زمانے میں ایک خاتون کا ناول لکھنا بذات خود ایک غیر معمولی بات تھی، چہ جائے کہ اعلیٰ معیاری نمونہ پیش کرنا۔''(۲۶)

رسومات

''اصلاح النساء'' میں شادی، ولادت اور موت کے تمام امور میں رسم ورواج اور بدعات وخرافات کو دکھلایا گیا ہے۔شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں کون کون سی رسم ادا کرتی ہیں؟ ان کی پوری تفصیلات جزئیات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔اس قدر رسموں کا بیان ہوا ہے کہ ایک مقالہ شادی بیاہ کی رسموں کے عنوان سے لکھا جا سکتا ہے۔مثلاً بارات اور مانجھے کی تاریخ طے کرنے اور سعد ونحس نکالنے کے لئے محلے کے پانڈے کو دروازے پر بلایا گیا، سوپ میں اروا چاول پانچ سیر، پانچ گرہ ہلدی، تھوڑی دوب اور پانچ روپے پر وتا دیا گیا۔ ان رسموں کے بعد مانجھے اور بارات کی تاریخ طے ہوئی۔ مانجھے کی رسم، سمدھیانا جانے کی رسم، مراثنیوں کے ذریعہ گالی دینے، گال پر صندل لگانے اور شربت پلانے کی رسم۔ رت جگے کی رسم، مڑوا اور کھچڑا تقسیم کرنے کی رسم، ابٹن اور تھال کھلانے کی رسم، دھمال اور ڈفالی کی رسم، کندوری کی رسم، تیسرے پہر ککروندہ پوجنے کی رسم، بارات کی رسم، دولہا کے استقبال کی رسم، پیروں کو جوڑے شہانے اور نذریں دینے کی رسم، حلوہ کھلانے کی رسم، رخصتی کی رسم غرض ایک ایک رسم کو دکھلایا گیا ہے۔اس ناول میں انیسویں صدی کے عظیم آباد کے معاشرتی احوال کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں ایک عہد محفوظ ہو گیا ہے۔ اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ آج سے سوا سو سال قبل عظیم آباد اور اس کے علاقوں میں شادی بیاہ کی کیا رسمیات تھیں تو اس کے لئے ''اصلاح النساء'' ایک دلچسپ اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔

اسی طرح ولادت کے موقع پر منائی جانے والی رسمیں جن کا دین وشریعت سے کوئی علاقہ نہیں، بچے کی پیدائش سے پہلے ماں جب حمل سے ہوتی ہے، اس کی رسم، ولادت کے بعد کی رسم، چھٹی کی رسم، چلہ اور نذر و نیاز کی رسم، غرض پیدائش سے لے کر موت تک کے سارے رسموں کو بیان کیا گیا ہے، ان رسمیات کے علاوہ ٹونے ٹوٹکے، پیر کھیلنا، چلہ کھینچنا، نذر و نیاز چڑھانا، اٹھک بیٹھک کرنا وغیرہ۔

بدعات وخرافات اور رواج ورسوم کو اس انداز سے حیطہ تحریر میں لایا گیا ہے کہ اس عہد کی معاشرت

اور گھریلو زندگی پر مکمل روشنی پڑتی ہے۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ ناول رسمیات اور بدعات کا انسائکلو پیڈیا معلوم ہوتا ہے۔ تہذیب و معاشرت اور بدعات و رسومات کے ذریعہ ناول نگار نے ایک زمانہ اور عہد کو محفوظ کر دیا ہے۔ جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

اصلاح النساء شادی بیاہ کے رسومات اور رواج کا ایک دلچسپ اور معلومات کا بہترین مرقع ہے۔ اس کے علاوہ اس میں وہ مناظر بھی سامنے آئے ہیں جب شادی کی مختلف رسموں کی ادائیگی کے موقع پر گھر کی عورتیں اور مراثنیں گیت گایا کرتی ہیں۔ یہ گیت جہاں شادی کے جشن و مسرت کے اظہار کا ذریعہ ہیں، وہیں شادی کے بندھن میں باندھے جانے والے نئے جوڑوں کے لئے خوبصورت اشارے اور ہدایات بھی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے: جب رت جگا کی رسم ہوئی ہے، نیا چولہا بنا کر رکھا گیا، اس میں گنگنا باندھا گیا اور ماما اصیلیں گانے لگیں۔

اللہ میاں کا چہرا رنگ بھرا
میں تو دیکھت ہوں گی نہال
اے بے نیاج مجھ پر رحم کرو
کچھ رحم کرو، کرم کرو
میرے پروردگار مجھ پر رحم کرو

جب دروازے سے دولہا روانہ ہوتا ہے، اس وقت نوشہ کے گھوڑے کے اردگرد ماماؤں اور لونڈیوں کا غول موجود ہوتا ہے اور یہ گیت گایا جاتا ہے:

تیری دادی بلیاں لے
اے میرے لال بنے
ہاتھی بنا ہے
عماری بنی ہے
کھوپ بنی ہے برات
اے میر ے سو گھڑ بنے
دولہے کی صورت ایسو بنی ہے

چندا نے لیا منہ چھپائے
اے میرے لال بنے

جب بارات دلہن کے دروازے پر پہونچتی ہے تو اس وقت آتش بازی کے ساتھ یہ گیت گایا جاتا ہے۔

گھوڑے پر اگیو جوڑے پر اگیو
آج سہانی رات چند اتم اگیو
سہرے پر اگیو مکنے پر اگیو
لڑوے پر اگیو لاڈو پر اگیو
آج سہانی رات چند اتم اگیو

شادی میں ایک رسم شربت پلائی کی ہے، اس کے بعد چاندی کے کٹورے میں ملیدہ اور کھجلا دودھ براتیوں کو سلیقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ شربت اور دودھ پلائی کی رسم کے موقع پر لونڈیاں اور مامائیں یہ گیت گاتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

کتے نے نوچی تیری داڑھی
بندر نے نوچی تیری داڑھی
دھنیے نے دھنکی تیری داڑھی
جلاہے نے بنی تیری داڑھی

دلہن کی رخصتی کے موقع پر مراثنیں رخصتی گانے اس طرح گاتی ہیں۔

چھوڑو دادی میرا آنچلا
دادا میاں نے ہارا ہے بول
بابل میں تو پاہن تیری رے
میرے آئے ہیں لیون ہار
بابل میں تو پاہن تیری رے

ان گیتوں کے مطالعہ سے اس وقت کے ماحول و معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ گیت ہماری تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی جھلک پیش کرتا ہے۔ اشاروں اور کنایوں میں ایسی بات کہہ دی جاتی ہے جو نئے

جوڑے اور دونوں خاندان کے لوگوں کے لئے کارآمد اور مفید ہوتی ہے۔ شادی، ولادت اور دوسری تقریبات کے موقع پر منائی جانے والی چھوٹی بڑی سب رسم ورواج کو اس طرح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کی تاریخی حیثیت ہوگئی ہے۔

رشید النساء ادباء کی نظر میں

کچھ عورتیں ایسی ضرور پیدا ہوئیں جو گھر کی چار دیواری کے اندر اور بندشوں میں رہ کر بھی بڑے کام کر گئیں۔ انہوں نے اندھیرے میں علم کی شمعیں روشن کیں اور دوسروں تک روشنی پہنچائی۔ اب جب تعلیم پھیل رہی ہے تب پتا چلا ہے کہ ان عورتوں نے اپنے وقت میں کتنا بڑا کام کیا تھا۔ ایسا کام جو آج بھی آسان نہیں۔ ان کی جلائی ہوئی شمع آج بھی روشنی دے رہی ہے اور برابر دیتی رہے گی۔ رشیدن بی بی بھی ایسی ہی ایک محنتی عورت تھیں۔ اس کا اصل نام رشیدۃ النساء بیگم تھا۔ انہوں نے گھر کے اندر رہ کر بھی وہ کام کیا جو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ وہ پہلی عورت تھیں جنہوں نے اردو میں ناول لکھا۔ ان سے پہلے کسی عورت نے کم سے کم اردو میں ناول نہیں لکھا تھا۔ اس ناول کا نام اصلاح النساء تھا۔ جب ناول چھپا تب اس کے کئی ایڈیشن سامنے آئے اور ملک بھر میں اس کی تعریف ہوئی۔

سہیل عظیم آبادی

''اصلاح النساء''، مطبوعہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2007)

''اصلاح النساء'' کی مصنفہ رشید النساء کھلے ذہن کی مالکہ تھیں، جسے عرف عام میں روشن دماغی اور روشن خیالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کے یہاں یہ روشن خیالی علم کے ذریعے بھی آئی ہے اور وراثت میں بھی ملی۔ وہ شمس العلماء سید وحید الدین خاں بہادر، صدر اعلیٰ کی بیٹی، شمس العلماء نواب سید امام امداد اثر کی بہن، بہار کے رئیس اور مشہور وکیل مولوی یحییٰ کی بیوی، سر علی امام و حسن امام کی پھوپھی، بیرسٹر محمد سلیمان، لیڈی سر عبد الرحیم اور بہار کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ نثار کبریٰ (جس کے شعری مجموعے کا نام ''خیالات کبریٰ'' ہے اور ۱۹۳۹ء میں قومی پریس بانکی پور پٹنہ سے شائع ہوا ہے) کی والدہ تھیں۔ اتنا کچھ بتا دینے کے بعد اب اس بات کو بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ ان کا ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول و منظر کیسا ہوگا۔

ادیب سہیل، پاکستان

(''اصلاح النساء''، مطبوعہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2007)

پردہ نشیں رشیدالنساء سماج سے بغاوت کرتی ہیں اور جس زمانے میں عورتوں کا لکھنا تو دور کی بات ہے، پڑھنا بھی جرم تھا، اسی دور میں کوئی مذہبی قصہ نہیں، جیتے جاگتے انسانوں کی کہانی لکھنے کے لیے قلم اٹھاتی ہیں، اصلاح معاشرہ ان کا عزم ہے، تعلیم نسواں پر وہ اصرار کرتی ہیں، انگریزی کے سیکھنے اور سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ایک طرف آزادخیالی کا یہ عالم ہے دوسری طرف سماج کی اتنی تابعدار ہیں کہ اصلاح النساء کے مسودے پر گیارہ برس تک گرد جمتی رہتی ہے اور جب وہ ان کے ولایت پلٹ بیٹے کی خواہش پر شائع بھی ہوتی ہے تو اس پر اپنا نام نہیں چھپواتیں اور والدہ بیرسٹر سلیمان بارایٹ لا کی چلمن کے پیچھے رہنے میں عافیت سمجھتی ہیں۔ اس بارے میں رشیدالنساء کو تنقید کا نشانہ بنانا اس لیے غلط ہے کہ رشیدالنساء کا دور برصغیر کے ہندو مسلم سماج میں ایک بہت بڑی اتھل پتھل کا زمانہ ہے اور یہ تضاد انیسویں صدی میں برصغیر کے پدرسری سماج کو سدھارنے کا دعویٰ کرنے والے بڑے نامور مصلحین کے یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

زاهده حنا، پاکستان

(''اصلاح النساء''، مطبوعہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2007)

''اصلاح النساء'' کی مصنفہ ام محمد سلیمان کا نام ''سیدہ رشیدالنساء'' تھا۔ وہ ایک نہایت معزز گھرانے کی پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں تعلیم نسواں معیوب بات تھی۔ موصوفہ کو اپنے زمانے کی عورتوں کے مسائل اور ان کے اسباب سے آگاہی تھی اور اس کی اصلاح کا جذبہ بھی تھا۔ جس کا نتیجہ یہ کتاب اور عورتوں کی تعلیم کی سعی میں اپنی نگرانی میں قائم کردہ مدرسہ تھا۔

قیصر امام، پاکستان

(اصلاح النساء، دیباچہ سوم، مطبوعہ احمد برادرز، کراچی، 2000)

کردارسازی کے اس نمونے سے رشیدۃ النسا کی انسان پرستی اور حب انسانیت کا پتہ چلتا ہے۔
ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کے برعکس انسان کو اچھائی یا برائی کے خانوں میں تقسیم کرنے میں یقین نہیں رکھتیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان جبلی طور پر اچھائی برائی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں ابلیسیت اور جبریلیت بیک وقت کارفرما ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ موصوفہ

انسانی جبلت کی فطرت شناس ہیں۔ انسان کی فطرت شناسی کا یہ شعور انہیں اپنے ہم عصر ناول نگاروں کے مابین ممتاز و منفرد بنادیتا ہے۔

پروفیسر ممتاز احمد

(زبان وادب، مئی جون 1994)

رشیدۃ النساء کی ایک اورانفرادیت کا تذکرہ ضروری ہے جس کا تعلق ان کے ناول سے تو نہیں مگر ان کی شخصیت سے یقینی ہے۔ ''مراۃ العروس'' کی اصغری کا عورتوں کی جدید تعلیم کے لئے مکتب کھولنا نذیر احمد کا ایک خواب بھی ہوسکتا ہے اور مستقبل کا منصوبہ بھی۔ مگر رشیدہ کردار کی غازی بن کر اس خواب کو حقیقت میں بدل دیتی ہیں۔ پردہ نشیں رشیدہ کا ناول لکھ کر تعلیم نسواں پہ اصرار کرنا اس سماج سے بغاوت کے مترادف تھا، مگر وہ ایک قدم آگے بڑھ کر عورتوں کی تعلیم کے لئے واقعی ایک زنانہ مدرسہ قائم کرتی ہیں اور چند ہی برسوں کے اندر اسے اتنا مستحکم بنادیتی ہیں کہ گورنر کی اہلیہ لیڈی فریزر اس کے معائنہ کے لئے تشریف لاتی ہیں۔ اپنے قیام کے بعد ساٹھ ستر سال سے بھی کم عرصے میں یہ مدرسہ ایک معتبر گرلز کالج کے روپ میں رشیدۃ النساء کی دوراندیشی کا ثبوت بن چکا تھا اور آج مزید ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اردو کی پہلی ناول نگار خاتون نہ صرف بہار کے مشاہیر اردو بلکہ ہندوستان کی اہم خواتین کی صف میں جگہ پانے کی مستحق ہے۔

پروفیسر اعجاز علی ارشد

(خدابخش اردو جرنل شمارہ 167 جنوری-مارچ 2012)

''رشیدۃ النساء'' نے مسلم طبقہ کی تعلیمی پسماندگی کی ہولناکیوں کو شدت سے محسوس کیا اور انہوں نے طبقہ نسواں کو زندگی کے نئے سلیقے سے آشنا کرنے کی پُرخلوص کوششیں کیں۔ ان کا ناول ''اصلاح النساء'' ان ہی کاوشوں کا آئینہ دار ہے۔

رشیدۃ النساء نے یہ ناول اس زمانے میں لکھا جب عورتوں کی تعلیم غیرضروری تصور کی جاتی تھی اور علمی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ناول دراصل ناول نگاری کی طرف عورتوں کے ذہنی جھکاؤ کے دور آغاز کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

نازقادری

(کتاب نما، دہلی مارچ 1985)

بہار کے اردو ناول نگاروں میں رشیدۃ النساء کا نام ایک روشن ستارہ کی مانند ہے۔ یہ اردو کی سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ایک ناول پیش کیا۔ ان کا زمانہ بھی وہی ہے جو نذیر احمد اور شاد کا ہے۔

رشیدۃ النساء بہت ترقی پسند خاتون تھیں۔ وہ اپنی قوم کی لڑکیوں کو تعلیم یافتہ بنانا چاہتی تھیں، کیونکہ ان کی حقیقت بیں نگاہیں ان خرابیوں کو دیکھ رہی تھیں جو تعلیم کی کمی کی وجہ سے سماج میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غلط عقائد اور توہم پرستی کا اس قدر دور دورہ تھا، جس میں الجھ کر خاندان تباہ و برباد ہوتے تھے۔ انہوں نے ان برائیوں کو دور کرنے کا سب سے موثر اور کارگر ذریعہ اسی کو سمجھا کہ لڑکیوں کو تعلیم دی جائے تا کہ جہالت کے جو پردے ذہن و دماغ پر پڑے ہوئے ہیں انہیں وہ خود اٹھا سکیں۔ اصلاح کے لئے یہ بہترین طریقہ ہے کہ قصہ کے پیرایہ میں نصیحت کی باتیں پیش کی جائیں۔ کتاب کا مقصد نام سے ظاہر ہے۔

ڈاکٹر آصفہ واسع

(بہار میں اردو ناول نگاری، 1997)

بہار میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے رشید النساء کو پہلی خاتون کی حیثیت سے یاد کیا جانا چاہئے۔ رشید النساء کی عظمت کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایک پردہ نشیں خاتون اس دور میں رسم رسومات کے خلاف لکھتی ہیں جب کہ اس سماج میں رسومات کی دلدادہ تقریباً نینانوے فیصد عورتیں تھیں۔ رشید النساء نے پردے میں رہ کر تعلیم نسواں اور عورتوں کے حقوق کی باتیں کی ہیں، اور کہانی کی صورت میں اس دور کے عظیم آباد کی مسلم آبادی کے گھروں کی سماجی اور مذہبی حالات کی تصویریں کامیابی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ ''اصلاح النساء'' کی اس لحاظ سے تاریخی اہمیت ہے اور اردو ناول کے آغاز میں اس کا اہم مقام ہے۔ رشید النساء کے نظریات تعلیم نسواں کے متعلق اکیسویں صدی میں بھی بہت اہم ہیں کہ عورتوں کی صرف تعلیم نہیں تربیت بھی ضروری ہے۔ تا کہ وہ اپنی نظر میں ہی نہیں دنیا میں بلند اور باوقار ہوں۔ اور یہ سوچ بدل جائے کہ ''ہائے نگوڑی کیا سمجھ الٹی — آخر عورت ہی نہ —''

ڈاکٹر اشرف جہاں

(اردو ناول کے آغاز میں دبستانِ عظیم آباد کا حصہ، 2012)

اصلاح النساء کے اقتباسات

یہ سن کر بسم اللہ کی ماں بھڑک اٹھیں اور تیور بدل کر بولیں کہ بی بی تمہارا ایمان تمہارے ساتھ ہمارا دین ہمارے ساتھ۔ نہ تم میری قبر میں جاؤ گی اور نہ میں تمہاری قبر میں جاؤں گی۔ میرے ماں باپ نے تمہارا کیا قصور کیا تھا جو تم نے ان کو اوکٹ دیا، میں دوزخی سہی تمہاری بلا سے، تم تو بہشت میں جاؤ گی۔ تمہارے میاں جو انگریزی کپڑے پہنتے ہیں، چرٹ پیتے ہیں، انگریزی پڑھتے ہیں یا بولتے ہیں اور انگریزی بسکٹ وغیرہ کھاتے ہیں، یہ سب کام تو بڑے ایمانداروں کا ہے، یہ سب تو گناہ نہیں اور بڑے پیر کا ماننا گناہ ہوا، واہ واہ خوب اچھی کہی۔ اگر یہی ایمان ہے تو ایسے ایمان کو میرا اسلام۔ دوسروں کے باپ دادا کو تم او کٹنے والی کون؟ کیا تمہارے باپ کے یہاں بھی میرے باپ کھانے پینے کو جاتے تھے؟ مجھ کو اور کوئی نہ سمجھنا، میں فساد کر ڈالوں گی۔ غرض کہ اوجھڑ ہو گئیں، چلا چلا کر واہیات خرافات بکنے لگیں۔

☆☆☆

امتیاز الدین: اب عرفی شادی ہوگی، ضرور میری برات بھی اسی طرح سے نکلے گی جیسی بلیے بقال جاہلوں کی نکلتی ہے۔ منگنی کے اسباب یکہ گاڑی اور مانگے کے گھوڑے ہاتھی، مہمل واہیات باجے لنگڑے لولے سپاہی کاغذ اور ابرک کی آرائش، آتش بازی کا دھواں اس سامان سے تو برات جائے گی اور مجھے شادی کا جامہ پہننا پڑے گا، پھولوں کی بدھی پہننی پڑے گی، پگڑی پر سہرا باندھنا ہوگا، ایک سرخ رومال چوتھ کر کے منہ پر رکھنا پڑے گا، کاش یہ سب کچھ گھر ہی میں ہوتا تو خیر ذلت کم تھی، مشکل تو یہ ہے کہ سانگ بنا کر گھوڑے پر سوار کوچے و بازار میں پھرایا جاؤں گا۔ ہر چند کہ چچا بابا کا مکان تو پاس ہی ہے لیکن نہیں معلوم کس کس گلی کوچہ اور بازار میں تو ضرور ہی اس سامان سے پھرائیں گے، یہ تشہیر نہیں ہوئی تو کیا ہوئی۔ لاحول ولا قوۃ، روپے کی بربادی الگ، ذلت پریشانی الگ اور عجب نہیں ہے کہ ناچ بھی ہو مگر میں نے یہ سنا نہیں ہے۔

☆☆☆

امتیاز الدین کے آنے کی خبر سن کر مراثنوں نے گانا شروع کر دیا۔ امتیاز الدین نے مسکرا کر آہستہ سے کہا لاحول ولا قوۃ اور کچھ نہ بولا اور جہاں لوگ لے گئے سیدھا چلا گیا، چاندی کی چوکی جو مانجھے کے ساتھ آئی تھی، فرش پر بچھائی گئی۔ اس پر امتیاز الدین کو لوگوں نے لا کر بٹھایا۔ امتیاز الدین شرمائے و سر جھکائے رہا، ادھر اُدھر دیکھنا بھالنا کیسا، صرف نظر نیچی کیے بیٹھا رہا، کپڑے اور پینڈی کی کشتیاں لا کر رکھی گئیں، جو کپڑے آئے تھے وہ پہنائے گئے، پھول کی بدھی اور ہار تو گلے میں ڈالا گیا، مگر طرہ کھوسنے کی جگہ نہ تھی، جوڑے کے ساتھ فقط ٹوپی آئی تھی، اس لیے طرہ صرف سر سے چھلا کر رکھ دیا گیا۔ اب مکھن مصری پینڈی کھلانے کا ٹونا گانا شروع کیا اور ایک رشتہ کی سالی نے ساتوں پینڈیوں میں سے ذرا ذرا اپنے ہاتھ سے دولہا کو دکھلایا اور کئی مرتبہ ڈہکایا، اس پر سب کو خوب ہنسی آئی۔ دو چار منٹ تک سمدھنیں ادھر کی ماما اصیلیں ہنستی رہیں، بعد اس کے مکھن نے بیڑا کھلانا اور ٹونا گانا شروع کیا، یہاں تک کہ ساتوں بیڑے کھلائے گئے اور ہر بیڑے کے ساتھ ایک نیا ٹونا گایا گیا۔ امتیاز الدین کا دم ناک میں آ گیا تھا مگر سعادت مند تھا، ماں باپ کے حکم کو کیوں کر ٹال دیتا، جو کچھ رسم ان لوگوں نے کرنے کو کہا سب بلا عذر کر لیا۔ جب رسموں سے فراغت ہوئی تو لڑکا باہر گیا تو بسم اللہ کی ماں نے اپنے مکان جانے کا ارادہ کیا مگر امتیاز الدین کی ماں نے منت سماجت سے روکا اور کل لوگوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھلوائے۔

☆☆☆

گیت راگ ہو رہا تھا کہ اتنے میں انا بولی کہ کچھ کام بھی ہوگا کہ خالی گیت راگ ہوتا رہے گا۔ انا کے ٹوکتے ہی فوراً گلگلے پکنے کی تیاری شروع ہوگئی، چولھا تو سلگ ہی چکا تھا، اس پر کڑاہی چڑھا دی گئی، اس وقت ایک بادیے میں پانی بھر کر رکھ دیا اور ایک پتھر کا چھوٹا سا ٹکڑا کڑاہی پر سے وار کر کے بادیے کے اندر چھوڑ دیا گیا۔ یہ ٹوٹکا اس غرض سے ہوا کہ روغن کم خرچ ہو، گلگلوں کے علاوہ اروے چاول کے آٹے میں دودھ اور چینی ملا کر رحم بنایا گیا، رات بھر کڑاہی چڑھی رہی، صبح کے قریب بال مکھی ایک گھڑے میں بند کی گئی تا کہ کھانے میں بال یا مکھی نہ پڑ جائے، ایک سل کے نیچے جھاڑو دبا دی گئی تا کہ شادی میں وہاں پانی نہ آوے، ان سب ٹوٹکوں کے وقت اس کا خاص گیت گایا گیا۔ جب پھر چھا ہونے کو آیا تو جھر بھرنے کی تیاری شروع ہوئی، جس جگہ گلگلے پکے تھے اس کے قریب ایک کوٹھری میں چھوٹی چوکی بچھائی گئی۔ اس چوکی پر ایک کورا گھڑا رکھا گیا، گھڑے پر ایک مٹی کی بدھنی، بدھنی پر مٹی کی چینی ڈھکنے کی طرح سے رکھ دی گئی، اس

چینی میں گلگلے رحم پھول پان کے بیڑے رکھ کر اس پر ایک رنگین رومال اوڑھا دیا گیا اور پانچ لروں کا سہرا پھولوں کا اس میں باندھا گیا۔ اس ترکیب سے شکل اس کی ایسی ہوگئی جیسے کوئی آدمی سہرا باندھے بیٹھا ہو، یہ گویا اللہ میاں بنائے گئے۔ کریم النساء دوسرے قطعے میں صبح کی نماز کے لیے وضو کر رہی تھیں کہ شبراتن نے جا کر کہا بی بی چلیے جھر بھری جا رہی ہے۔ کریم النساء نے کہا کچھ تو سڑن ہوگئی ہے میں نماز چھوڑ کر بت پرستی میں شریک ہونے کو جاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ تو نماز پڑھنے لگیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا شبراتن نے بسم اللہ کی ماں سے جا کر کہہ دیا۔

☆☆☆

باغ میں جا کر ایک پیڑ کرکرندے کا اکھاڑ کر دھتورے کے درخت کے پاس گاڑ دیا۔ اور پیسہ ڈلی جو سوپ میں تھی اس میں سیندور لگا کر اسی کرکرندے کے پاس زمین میں گاڑتے وقت یہ کہا ''آج نیوتے جاتے ہیں کل اکھاڑ کر لے جائیں گے'' کرکرندے اور دھتورے کے درخت میں بھی سیندور لگا دیا۔ پھر ماماؤں نے جو لوگ بسایا یعنی دو عورتوں نے کھڑے ہو کر سوپ کو نانگھا۔ ایک نے پوچھا کہ کہاں جاتی ہو؟ دوسری نے کہا کہ کام روپ۔ پھر اسی نے پوچھا کہ کیا لانے کو؟ جواب دیا دولہا کا جوگ، دولہن کا سہاگ۔ اسی طرح سب نے پوچھا اور سات مرتبہ سوپ کو نانگھا پھر چاول جو سوپ میں تھے، ایک ایک مٹھی سب نے پھانکے، اس کے بعد وہی سوپ والا چراغ جلا کر کجلوٹی میں کاجل پار کر سب نے ایک ایک آنکھ میں لگایا پھر اسی طرح سوپ لیے ہوئے گیت گاتی ہوئی گھر میں واپس آئیں۔ وہ سوپ بھی مغلانی کے حوالے کیا گیا، اب دوسرا کام شروع ہوا۔ ایک مٹی کی رکابی میں مہندی پیس کر رکھی گئی اور چھوٹے لگن میں ابٹن گھولا گیا، حجامن اور سات سہاگن بیبیاں مہندی اور ابٹن لے کر مانجھے خانہ میں گئیں۔ حجامن کو سوپ میں اروا چاول، گڑ ایک دونی پروتا ملا۔ حجامن نے بسم اللہ کے ناخن کاٹنے شروع کیے۔ اس وقت نائن کو نچھاور دیا گیا یعنی بسم اللہ پر سے وار کر کسی نے اٹھنی، کسی نے چونی، کسی نے دونی دی، ان کی ماں اور میر واعظ صاحب کی بی بی نے روپیہ دیا۔ حجامن نچھاور کی رقم اور پروتا پا کر چلی گئی۔

☆☆☆

جب ولادت کے دن پورے ہوئے تو خدا کے فضل سے بیٹا پیدا ہوا۔ ولادت کے ہونے میں کچھ دیر نہیں ہوئی مگر بسم اللہ کی ماں نے حماقت کی وجہ سے دعا تعویذ میں کچھ روپے خرچ کر ہی دیئے۔

جس کوٹھری میں لڑکا پیدا ہوا اس کے دروازے کی چوکھٹ کی دونوں طرف لوہے کی میخ گاڑی گئی، سیہہ کا کانٹا رکھ دیا گیا، جوتی کا تلا، گائے کی سینگ اور ٹوٹی ہانڈی کا کنگھا (گلا) یہی سب دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ دالان، زچہ خانہ کی کوٹھری میں ٹاٹ کا پردہ پڑ گیا، زچہ خانے کے اندر چومکھ جلا دیا گیا، یہ دن رات روشن رہتا تھا۔ زچہ خانے کے اندر کوئلے کی آگ انگشت میں رکھی گئی اور دروازے پر لکڑی کے کندے سلگائے گئے۔ اجوائن، گندھک، لہسن کا چھلکا چوکر یہ سب ایک ٹوکرے میں رکھ دیا گیا۔ جب کوئی زچہ خانے میں جاتی تو پہلے ایک چٹکی اجوائن وغیرہ لے کر اسی آگ میں ڈال کر کپڑا آگ پر جھاڑ لیتی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو بلا ساتھ آئی ہو وہ آگ میں جل جائے۔

☆☆☆

بی بی نے ایک مشاطہ کو بلوا کر یہ پیغام دے کر بھیجا کہ پہلے تو تم یوں پوچھو "سنا ہے کہ آپ کو لڑکی کی نسبت کی تلاش ہے"؟ جب وہ کہیں کہ "ہاں" تب تم دو تین جگہ کا نام لے کر میرے یہاں کا بھی نام لینا اور کہنا کہ آپ کہیے تو ہم پیغام دیں۔ یہ پیغام مشاطہ لے کر امتیاز الدین کے یہاں گئی اور بسم اللہ سے کہا۔ بسم اللہ نے اور مقاموں کا پیغام تو نامنظور کیا مگر رئیس الدین کے یہاں کا نام سن کر بہت پسند کیا اور بسم اللہ نے مشاطہ سے کہا کہ "اگر ان کے یہاں نسبت کرا دو گی تو کیا بات ہے، ہم تم کو پچاس روپے اور ایک جوڑا کپڑا دیں گے" بی بی نے میاں سے کہا کہ رئیس الدین کے یہاں سے نذیر اعظم کی نسبت آئی ہے، تم کیا کہتے ہو"؟

میاں: جب محمد اسحاق کی بی بی نے نامنظور کیا تو رئیس الدین امیر آدمی ہیں، ان کی بی بی کب منظور کریں گی۔

☆☆☆

یہ قاعدے کی بات ہے کہ جیسا عقیدہ بی بی کا ہوتا ہے، ویسا ہی دیکھتے دیکھتے ماماؤں کا ہو جاتا ہے۔ جس وقت بچہ کو لے کر بہو اُتری بہت سی منتیں مانی گئی تھیں، ادا ہونی شروع ہوئیں۔ ایک نیم کی ڈالی انگنائی میں گاڑی گئی، اس کے نیچے حلوا بنایا گیا۔ اس پر پیر خطیر کا فاتحہ ہوا، بچے کا بچھونا پلنگ پر بچھایا گیا۔ پانچ پیسے کی ریوڑیاں آئیں اس پر چہل بی بی کا فاتحہ ہوا۔ تھوڑی تھوڑی ریوڑیاں پلنگ پر پانچ جگہ رکھی گئیں، یعنی چاروں کونے اور بیچ میں کئی بچے بلائے گئے۔ ان کو حکم ہوا کہ "ہنستے ہوئے ریوڑی لے لو اور جو لڑکا روئے گا

اس کو ریوڑی نہیں ملے گی بلکہ نکال دیا جائے گا" بچے ریوڑیاں لے کر خوش خوش چلے گئے۔ اب لڑکا پلنگ پر سلایا گیا۔ سردار دولہن نے جو یہ سب رسمیں دیکھیں تو اپنے دل میں بہت حیران ہوئی مگر کچھ بول نہیں سکتی تھی، یوں تو رسمیہ آنا جانا ہوا کرتا تھا مگر اب رہنا ہوا تو ان لوگوں کا حال معلوم ہوا۔ جب مہینے کا چاند دیکھا گیا تو ساتویں تاریخ کو حضرت مولا کے روزے کا دن آیا۔ جتنی دائیاں مامائیں تھیں، سب نے روزہ رکھا۔ جمراتن ماما سے پوچھا کہ سردار دولہن یہ روزہ رکھتی ہیں یا نہیں؟ جمراتن نے کہا کہ جی نہیں ہم لوگوں کے یہاں سوائے خدا کے اور کسی کی روزہ نماز نہیں کرتے ہیں۔ روزے کا سامان کا ایک ٹکہ میں ہوتا ہے۔ جلیبی، لوبان، بھنے ہوئے چنے، کشمش، بیڑا، مٹی کا ایک آبخورا پانی کے لیے اور ایک دمڑی جو بازار سے سودا خرید لاتی ہے، اس کو دی جاتی ہے اور ایک دمڑی فاتحہ دینے والے طالب علم کو ملتی ہے۔ قبل روزہ کھولنے کے مغلانی نے یہ کہانی شروع کی۔

☆☆☆

محمودہ: بلاؤ پیرانی کو ایک دل لگی بھی ہوگی اور ہم نے بھی پیر کھیلتے کبھی نہیں دیکھا ہے اور پیرانی کو ذلیل کرو۔ اتنے میں محمودہ کے دیور آ گئے ان کی عمر گیارہ برس کی ہوگی۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ ضرور ضرور بلوایئے ہم بھی دیکھیں گے کہ کس طرح سے وہ کھیلتی ہے۔

ہم نے سنا ہوا تھا کہ مرادن پیرانی سبزی باغ میں رہتی تھی وہ بڑی شیطان تھی۔ پہلے تو اس کو بہت کچھ ملتا تھا، جب ہم بچہ تھے تو پہلے اس کو چاندی کے ظروف ملا کرتے تھے اور سال میں کئی دفعہ پہنچتی تھی، کوئی مہاجن تھا۔ اس کی بی بی بیمار تھی، اتفاق سے وہ اچھی ہو گئی، اسی زمانہ میں اس کے یہاں یہ جاتی تھی۔ بہت کچھ ملا، تمام دیہاتوں میں جاتی تھی۔ اکثر عورتیں کہتی تھی کہ "مرادن بڑی ٹھگنی" ہے۔ جب ہم لوگ سیانے ہوئے تو معلوم ہوا کہ مرادن کو اب کچھ نہیں ملتا ہے، فاقہ کشی کی نوبت ہے۔ مگر اس کی گزراوقات اسی پر تھی۔ کہیں مہینے دو مہینے میں بیٹھک ہوتی تھی تو کچھ مل جاتا تھا۔ محمودہ کو مردان کا حال اور نام معلوم تھا۔ کھلائی سے پوچھا کہ "اجی مرادن پیرن کیسی ہیں؟"

☆☆☆

اشرف النساء: فقط لکھنا پڑھنا ہی تو لڑکیوں کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ اچھی بات بھی تو سیکھنا چاہیے۔ اور صوفی صاحب کے مکتب میں پڑھنے کے علاوہ اچھی باتوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ (اسی کو تربیت

کہتے ہیں) جولڑکی مکتب میں پڑھنے جاتی ہے تو پہلا حکم مولوی صاحب موصوف کا یہ ہوتا ہے کہ لمبی آستین کا کرتا، سنگین کپڑے کا دوپٹہ، چھوٹے پائنچے کا پائجامہ پہنو، سر میں قصابہ باندھ کر مکتب آؤ، نماز کی تعلیم ہوتی ہے، ادب قاعدہ تمیز سکھایا جاتا ہے۔ جن لڑکیوں نے صوفی صاحب سے پڑھا ہے، ایسی شائستہ ہوگئی ہیں کہ ہم کیا بیان کریں، دو روپے مہینے کی آتو سے گھر پر تعلیم نہیں ہوسکتی ہے کیوں کہ آتو کو خود کچھ پڑھنا تو آتا ہی نہیں ہے سوائے قرآن شریف کے، وہ بھی غلط، اور پڑھنا کیا آوے گا؟ اگر کسی گھر میں آتو رکھی بھی جاتی ہے تو دو روپے مہینے سے زیادہ نہیں مل سکتا، پڑھنا تو آتا ہی نہیں، لڑکی کو رات دن بٹھائے رہتی ہیں، جو کچھ ذہن حافظہ ہے، وہ بھی بیٹھے بیٹھے کند ہو جاتا ہے، لڑکی کو حکم ہے کہ طوطا مینا کی طرح رٹا کرو۔ برسوں میں لیاقت نہیں ہوتی ہے، اس قدر ماں کو آرام ہوتا ہے کہ ماما، باورچن، چاول دال زیادہ چراتی تھی، جب سے آتو جی نوکر ہوئیں، وہ اپنے سامنے جنس تلوا دیتی ہیں، تب سے چوری نہیں ہوتی ہے۔ لڑکی پڑھے یا نہ پڑھے آتو جی کی خاطر ہوتی ہے۔ دل میں آتو جی خدا سے دعا مانگتی ہیں کہ یا اللہ قرآن جلدی ختم نہ ہو، میری نوکری تو رہے۔ اور ظاہر میں لڑکی پر غصہ کرتی ہیں کہ کیسی لڑکی ہے پڑھتی نہیں۔ آتو جی کے ساتھ لڑکیاں اور بھی لڑائی جھگڑا سیکھتی ہیں اور یہی عادت لڑائی کی رہ جاتی ہے۔ لڑکیوں کی بے تعلیمی کے سبب سے لڑکے بھی پوری تعلیم پا نہیں سکتے ہیں۔

❋

حواشی

۱. فصیح الدین بلخی، تذکرہ نسواں ہند، حصہ دوم، شمسی پریس، پٹنہ سیٹی، 1956، ص8

۲. ڈاکٹر آصفہ واسع، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 1997، ص115/116

۳. ثار کبریٰ، خیالات کبریٰ، قومی پریس لمیٹیڈ، بانکی پور، پٹنہ، 1939، ص9

۴. زاہدہ حنا، اصلاح النساء، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2007ء، ص220

۵. ثار کبریٰ، خیالات کبریٰ، قومی پریس لمیٹیڈ، بانکی پور، پٹنہ، 1939، ص2

۶. ایضاً، ص6

۷. ڈاکٹر اشرف جہاں، اردو ناول کے آغاز میں دبستان عظیم آباد کا حصہ، مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، 2012، ص84

۸. ڈاکٹر آصفہ واسع، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 1997، ص116

۹. ڈاکٹر اقبال حسین، داستان میری، خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2000، ص78-77

۱۰. رشید النساء، اصلاح النساء، خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2007، ص11

۱۱. رشید النساء، اصلاح النساء، فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور، 1968، دیباچہ دوم

۱۲. رشید النساء، اصلاح النساء، احمد برادرز، کراچی، 2000، دیباچہ سوم

۱۳. رشید النساء، اصلاح النساء، خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2007، ص162

۱۴. ایضاً، ص10

۱۵. پروفیسر خلیق انجم، سرسید اور علی گڑھ تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1982، دیباچہ

۱۶. رشید النساء، اصلاح النساء، فیروز سنز لمٹیڈ لاہور، 1968، دیباچہ دوم

۱۷. رشید النساء، اصلاح النساء، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2007، ص 207

۱۸. رشید النساء، اصلاح النساء، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2007، ص 10-11

۱۹. رشید النساء، اصلاح النساء، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2007، ص 15

۲۰. ڈاکٹر آصفہ واسع، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 1997، ص 133

۲۱. ڈاکٹر اشرف جہاں، اردو ناول کے آغاز میں دبستان عظیم آباد کا حصہ، مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، 2012، ص 109

۲۲. ڈاکٹر آصفہ واسع، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 1997، ص 129

۲۳. محمد سلمان صدیقی، معاصر پٹنہ، فروری، مارچ 1944

۲۴. ڈاکٹر آصفہ واسع، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 1997، ص 133

۲۵. رشید النساء، اصلاح النساء، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ 2007، ص 215

۲۶. ڈاکٹر آصفہ واسع، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 1997، ص 133

کتابیات

مصنف کا نام	کتاب کا نام	ناشر/مطبع	سن اشاعت
ڈاکٹر آصفہ واسع	بہار میں اردو ناول نگاری	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی	1997ء
ڈاکٹر اقبال حسین	داستان میری	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	2000ء
احتشام حسین	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی	2016ء
خواجہ احسن فاروقی	ناول کیا ہے	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ	1962ء
انور پاشاہ	ہندو پاک میں اردو ناول (تقابلی مطالعہ)	پیش رو پبلی کیشنز، نئی دہلی	1992ء
ڈاکٹر اشرف جہاں	اردو ناول کے آغاز میں دبستان عظیم آباد کا حصہ	مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ	2012ء
ڈاکٹر اشرف جہاں	شاد عظیم آبادی کا ناول صورۃ الخیال عرف ولایتی کی آپ بیتی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2013ء
ڈاکٹر احمد صغیر	بہار میں اردو فکشن ایک تنقیدی مطالعہ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2014ء
سید بدر الدین احمد	حقیقت بھی کہانی بھی	بہار اردو اکادمی، پٹنہ	2003ء

محمد بدرالدین فریدی	خدا بخش کے احباب و معاصرین	مصنف	2012ء
پروفیسر خلیق انجم	سرسید اور علی گڑھ تحریک	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	1982ء
رشید النساء	اصلاح النساء	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	2007ء
سہیل بخاری	اردو ناول نگاری	الحرا پبلشر، دہلی	1972ء
ڈاکٹر سلیم اختر	داستان اور ناول	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	1991ء
ڈاکٹر سنبل نگار	اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ	1996ء
ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی	اردو ناول کے اسالیب	مصنف	2006ء
صالحہ زریں	اردو ناول کا سماجی و سیاسی مطالعہ	مصنفہ	2000ء
ڈاکٹر صادقہ ذکی	ادب خواتین اور سماج	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی	1996ء
صغرا مہدی	اردو ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت	سجاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی	2002ء
علی عباس حسینی	اردو ناول کی تنقیدی تاریخ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ	1987ء
عبدالرقیب حقانی	ارض بہار اور مسلمان	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ	2012ء
ڈاکٹر عالمگیر شبنم	اردو ناول کا ارتقاء	ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی	2018ء
فصیح الدین بلخی	تذکرہ نسوان ہند (حصہ دوم)	شمس پریس پٹنہ سیٹی	1956ء

فہمیدہ کبیر	اردو ناول میں عورات کا تصور (نذیر احمد سے پریم چند تک)	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی	1992ء
ڈاکٹر فاروق عثمانی	اردو ناول میں مسلم ثقافت	بیکن بکس گلگشت، ملتان	2002ء
ڈاکٹر مجتبیٰ حسین	اردو ناول کا ارتقاء	پرویز بک ڈپو، دہلی	1974ء
ڈپٹی نذیر احمد	مراۃ العروس	منشی نول کشور لکھنؤ	1869ء
ڈپٹی نذیر احمد	بنات النعش	کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ	1920ء
نثار کبریٰ	خیالات کبریٰ	قومی پریس لمیٹیڈ، بانکی پور، پٹنہ	1939ء
نیلم فرزانہ	اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ	1992ء
وقار عظیم	داستان سے افسانے تک	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ	
یوسف سرمست	بیسویں صدی میں اردو ناول	نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد	1973

تصاویر

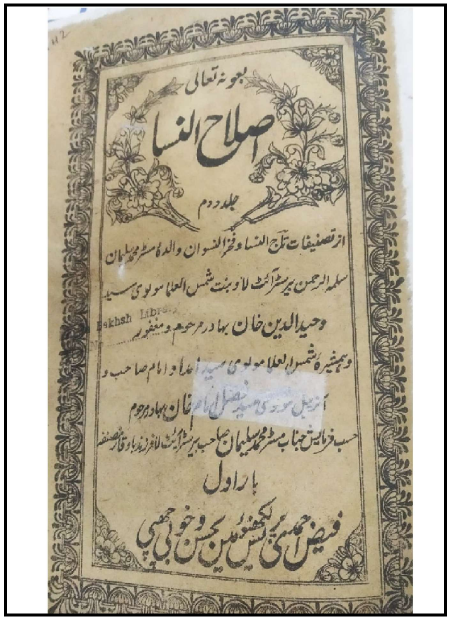
بعونہ تعالیٰ
اصلاح النسا
جلد دوم
از تصنیفات تاج النسا و فخر النسوان والدہ مسٹر محمد سلیمان
سلمہ الرحمن بیرسٹرایٹ لاو بنت شمس العلما مولوی سید
وحید الدین خان بہادر مرحوم و مغفور
و ہمشیرہ شمس العلما مولوی سید امداد امام صاحب و
آنریبل مولوی سید فضل امام خان بہادر مرحوم
حسب فرمائش جناب مسٹر محمد سلیمان صاحب بیرسٹرایٹ لا فرزند باوقار مصنف
بار اول
فیض احمدی پریس لکھنؤ میں بحسن و خوبی چھپی

سال اشاعت ۱۸۹۴ء

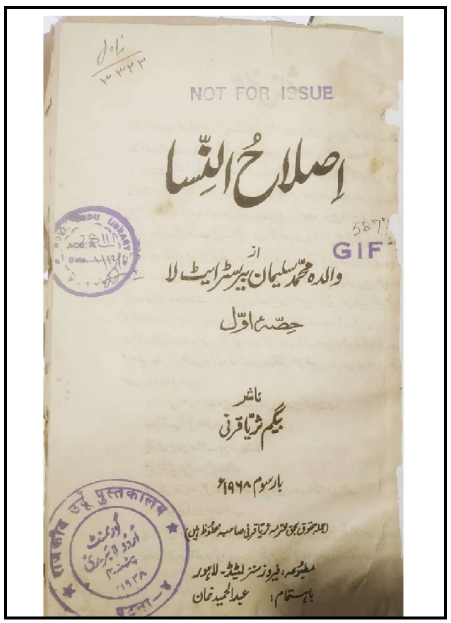
NOT FOR ISSUE
اصلاحُ النّسا
GIFT
از
والدہ محمدؐ سلیمان بیرسٹرایٹ لا
حِصّہ اوّل
ناشر
بیگم ثریّا قرنی
بار سوم ۱۹۶۸ء
(جملہ حقوق بحق محترمہ ثریا قرنی صاحبہ محفوظ ہیں)
مطبوعہ: فیروزسنز لمیٹڈ۔ لاہور
باہتمام: عبدالحمید خان

سال اشاعت ۱۹۶۸ء

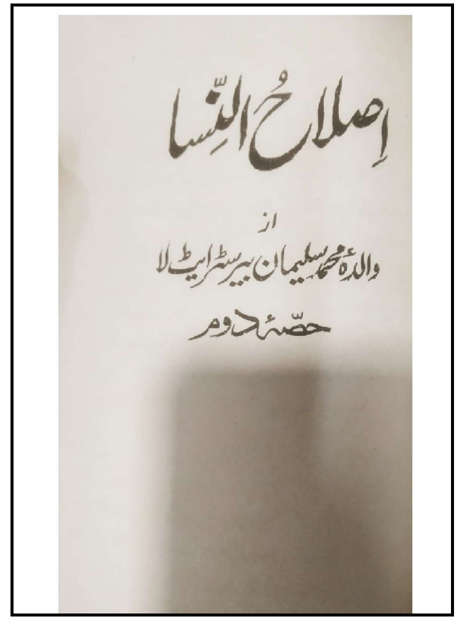

سال اشاعت ۱۹۶۸ء

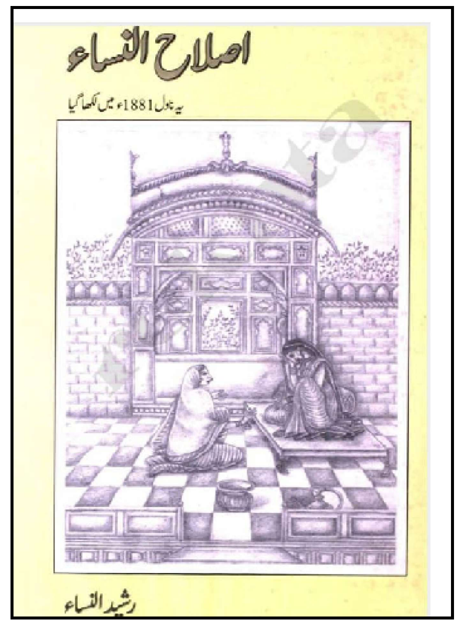

سال اشاعت ۲۰۰۰

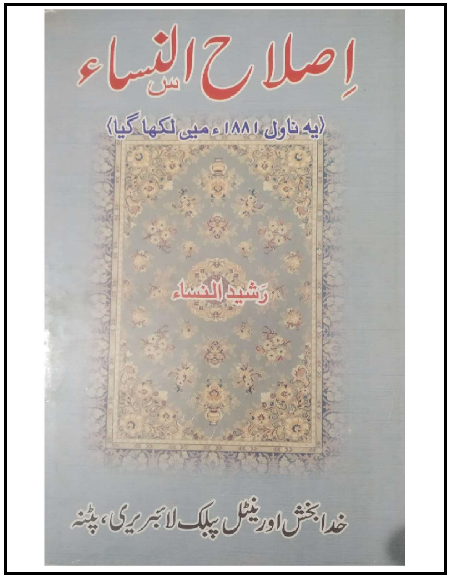

سال اشاعت ۲۰۰۷ء

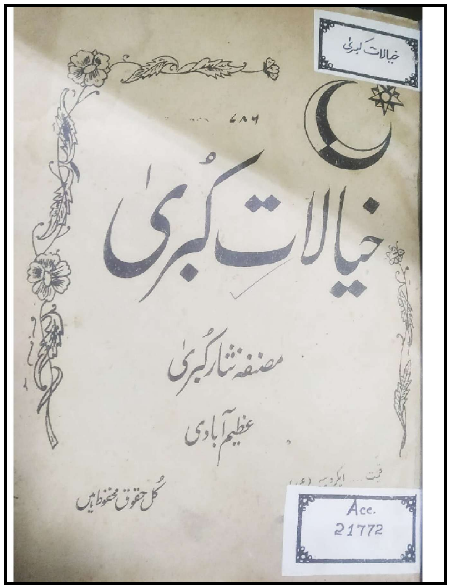

سال اشاعت ۱۹۳۹ء

ختم شد